منصبِ نبوّت

صحیح اور غلط تصوّر کا فرق

[صفحات گذشتہ میں سُنت کی آئینی حیثیت کے متعلق ڈاکٹر عبدالودود صاحب اور مصنّف کی جو مراسلت ناظرین کے ملاحظہ سے گزری ہے، اس کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کا ایک اور خط وصول ہُوا، جسے ذیل میں مصنّف کے جواب کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔]

ڈاکٹر صاحب کا خط

مولانائے محترم! السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ ۸ اگست ملا۔ مجھے امید ہے کہ اس کے بعد بات ذرا اطمینان سے ہو سکے گی۔ آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۶ جون میں میرے پہلے سوال کے جواب کے اختتام پر فرمایا تھا۔

"دوسرے سوالات چھیڑنے سے پہلے آپ کو یہ بات صاف کرنی چاہیئے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنا دینے کے سوا دنیا میں اور کام کیا تھا یا نہیں، اور اگر کیا تھا تو کس حیثیت میں؟"

نیز یہ بھی کہ:

"پہلے آپ یہ بات صاف کریں کہ آیا سنتِ رسول اللہ بجائے خود کوئی چیز ہے

یا نہیں ؟ اور اس کو آپ قرآن کے ساتھ ماخذِ قانون مانتے ہیں یا نہیں ؟ اور نہیں مانتے تو اس کی دلیل کیا ہے ؟"

چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے موجودہ خط میں مسئلہ زیرِ بحث کے صرف اسی حصّہ پر گفتگو کروں اور اس کے باقی اجزاء آئندہ کے لیے ملتوی کر دوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنے اوّلین خط مورخہ ۲۱ مئی میں صاف طور پر یہ عرض کیا تھا کہ

"مجھے نہ تو سنت کی حقیقی اہمیت سے مجالِ انکار ہے اور نہ اس کی اہمیت کو ختم کرنا مقصود ہے"

چنانچہ آپ کا یہ سوال کہ میرے نزدیک سنت رسول اللہ بجائے خود کوئی چیز ہے یا نہیں ؟ غیر ضروری ہے۔ البتہ میرے نزدیک سنت کا مفہوم آپ سے مختلف ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ آیا میں سنت کو قرآن کے ساتھ ماخذ قانون مانتا ہوں یا نہیں ؟ میرا جواب نفی میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی دلیل کیا ہے ؟ اجازت دیجیے کہ میں پہلے اس بات کو صاف کر لوں کہ آیا رسول اللہ نے قرآن سنا دینے کے سوا دنیا میں کوئی کام کیا تھا یا نہیں ؟ اور اگر کیا تھا تو کس حیثیت میں ؟ جب اس کا جواب سامنے آجائے گا تو دلیل خود بخود سامنے آجائیگی۔

مجھے آپ سے سو فیصدی اتفاق ہے کہ حضورؐ معلّم بھی تھے، حاکم بھی تھے، قاضی بھی تھے، سپہ سالار بھی۔ آپ نے افراد کی تربیت کی اور تربیت یافتہ افراد کو ایک منظم جماعت کی شکل دی۔ اور پھر ایک ریاست قائم کی وغیرہ وغیرہ! لیکن اس بات پر آپ سے اتفاق نہیں کہ تیئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں حضورؐ نے جو کچھ کیا تھا یہ وہ سنت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکمِ اعلیٰ کے قانونِ برتر کی تشکیل و تکمیل کرتی ہے"۔ بے شک حضورؐ نے حاکمِ اعلیٰ کے قانون کے مطابق معاشرہ کی تشکیل تو فرمائی لیکن یہ کہ کتاب اللہ کا قانون (نعوذ باللہ) نامکمل تھا اور جو کچھ حضورؐ نے عملاً کیا اُس سے اس قانون کی تکمیل ہوئی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ میرے نزدیک وحی پانے کا سلسلہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ لیکن رسالت کے فرائض جو حضورؐ نے

سرانجام دیتے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضورؐ کے بعد بھی انہیں خطوط پر معاشرے کا قیام عمل میں لایا جاسکے اور یہ تسلسل قائم رہے۔ اگر حضورؐ نے مَا اُنْزِلَ اللّٰہ کو دوسروں تک پہنچایا تو امت کا بھی فریضہ ہے کہ مَا اُنْزِلَ اللّٰہ کو دوسروں تک پہنچائے، اگر حضورؐ نے مَا اُنْزِلَ اللّٰہ کے مطابق جماعت بنائی ریاست قائم کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا تو امت کا بھی فریضہ ہے کہ انہی خطوط پر عمل کرے اگر حضورؐ نے مَا اُنْزِلَ اللّٰہ کے مطابق معاملات کے فیصلے کیے تو امت بھی مَا اُنْزِلَ اللّٰہ کے مطابق فیصلے کرے۔ اگر حضورؐ نے شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ کے مطابق امورِ سلطنت میں مشاورت سے کام کیا تو امت بھی ایسا ہی کرے۔ اگر حضورؐ نے نبوت کے تئیس سال غزوات میں گھوڑے کی پیٹھ پر گزارے تو امت بھی انہی اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر جنگ کرے۔ چنانچہ مَا اُنْزِلَ اللّٰہ کے مطابق تربیت، جماعت بندی ریاست کا قیام، مشاورت، قضا، غزوات۔ یہ سارے کام امت کرے تو یہ سنت رسول اللّٰہ ہی کی پیروی ہے۔ حضورؐ نے بھی اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق مَا اُنْزِلَ اللّٰہ پر عمل کرتے ہوئے معاشرے کی تشکیل کی۔ اب سنتِ رسول اللّٰہ کی پیروی یہ ہے کہ ہر زمانے کی امت، زمانے کے تقاضوں کے مطابق مَا اُنْزِلَ اللّٰہ پر عمل کرتے ہوئے معاشرے کی تشکیل کرے۔ موجودہ وقت میں ہم جو بھی طرزِ حکومت، حالات اور موجودہ تقاضوں کے مطابق مناسب سمجھیں عمل میں لائیں، لیکن مَا اُنْزِلَ اللّٰہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر۔ یہی سنتِ رسول اللّٰہ پر عمل ہوگا۔ اگر ہم ان مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر جو مَا اُنْزِلَ اللّٰہ نے متعین کیے ہیں جنگیں لڑیں تو یہی سنتِ رسول اللّٰہ پر عمل ہوگا۔ لیکن اگر جیسا کہ ایک مقامی اخبار میں ایک مولوی صاحب نے گزشتہ ہفتہ لکھا تھا کہ حضرت عمرؓ کی فوج کو ایک قلعہ فتح کرنے میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ فوج نے کئی دن مسواک نہیں کی تھی، یا یہ کہ آج کے ایٹمی دور میں جنگ کے اندر تیروں کا استعمال ہی ضروری ہے کیونکہ حضورؐ نے جنگوں میں تیر استعمال کیے تھے تو اس سے بڑھ کر سنتِ رسول اللّٰہ سے مذاق کیا ہو سکتا ہے۔ ان تمام اعمال میں جو حضورؐ نے تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں کیے وہ اسی

مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کا جو کتاب اللہ میں موجود ہے اتباع کرتے تھے اور اُمت کو بھی یہی حکم ملا کہ اسی کا اتباع کرے۔ جہاں اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ (۷/۳) کہہ کر اُمت کے افراد کو تلقین کی وہاں یہ بھی اعلان ہوا کہ حضور بھی اسی کا اتباع کرتے ہیں۔ قُلْ اِتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (۷/۲۰۳)۔ نہ معلوم آپ کن وجوہات کی بنا پر کتاب اللہ کے قانون کو نامکمل قرار دیتے ہیں۔ کم از کم میرے لیے تو یہ تصور بھی جسم میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔ کیا آپ قرآن کریم سے کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں گے، جس سے معلوم ہو کہ قرآن کا قانون نامکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو انسانوں کی رہنمائی کے لیے صرف ایک ضابطۂ قوانین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جو شک و شبہ سے بالاتر ہے، بلکہ اس کی ابتدا ہی ان الفاظ سے کی ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ اور پھر معاملاتِ زندگی میں فیصلوں کے لیے اس ضابطۂ حیات کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا، اور یہ بھی واضح طور پر اعلان کر دیا کہ یہ ضابطۂ قانون مفصل ہے۔ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا (۶/۱۱۵) بلکہ مومن اور کافر کے درمیان تمیز یہ رکھ دی کہ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ (۵/۴۴) کیا قرآن کریم کو کتابٌ عزیزٌ (ایک غالب کتاب) کہہ کر نہیں پکارا گیا۔ کیا تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (۶/۱۱۶) کا اعلان یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں کہ قانونِ خداوندی مکمل ہو چکا ہے۔ اور جو کچھ باقی رہتا تھا وہ پورا ہو گیا۔ کافر بھی تو اس کتاب کے علاوہ کوئی چیز اپنی تسلی کے لیے چاہتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا یہ کتاب ان کے لیے کافی نہیں؟ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ[1] اَنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ (۲۹/۵۱)

مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ چونکہ دین کا تقاضا یہ تھا کہ کتاب پر عمل اجتماعی شکل میں ہو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص قرآن پر اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرے اور دوسرا اپنی سمجھ کے مطابق۔ اس لیے نظام کو قائم رکھنے کے لیے ایک زندہ شخصیت کی ضرورت ہے۔ اور مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ جہاں اجتماعی نظام کے قیام کا سوال ہو۔ وہاں پہنچانے

---

[1] صحیح عبارت اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ ہے

والے کا مقام بہت آگے ہوتا ہے کیونکہ پیغام اس نے اس لیے پہنچایا کہ وحی اس کے سوا اور کسی کو ملتی نہیں۔ چنانچہ قرآن نے اسی لیے واضح کر دیا کہ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، چنانچہ حضورؐ مرکزِ ملت بھی تھے۔ اور سنّت رسول اللہ پر عمل یہی ہے کہ حضورؐ کے بعد بھی اسی طرح مرکزیت کو قائم رکھا جائے۔ چنانچہ اسی نکتہ کو قرآنِ کریم نے اِن الفاظ میں واضح کر دیا کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (۳/۱۴۴) ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ (اگر اس کا مقصد وعظ و نصیحت نہیں) اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ سنتِ رسول اللہ پر عمل کرتے ہوئے مرکزِ ملت کے قیام کو مسلسل عمل میں لایا جائے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس ضابطۂ قانون پر چلانا حضورؐ کا مقصد تھا اور آئندہ مرکزِ ملت کا مقصد رہے گا۔ اُس ضابطۂ قانون کو نامکمل قرار دے دیا جائے۔

آپ کا اگلا سوال یہ ہے کہ جو کام حضورؐ نے تیئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں سرانجام دیئے اُن میں آنحضرت کی پوزیشن کیا تھی؟ میرا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے جو کچھ کر کے دکھایا وہ ایک بشر کی حیثیت سے لیکن مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے مطابق کر کے دکھایا۔ میرا یہ جواب کہ حضورؐ کے فرائض رسالت کی انجام دہی ایک بشر کی حیثیت سے تھی میرے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ خود کتاب اللہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضورؐ نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ قرآن کی آیات سے واضح ہے کہ حضورؐ نظامِ مملکت کی سرانجام دہی میں ایک بشر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی آنحضرت سے اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ (۳۴/۵۰) اگر یہ اجتہادی غلطیاں ایسی ہوتیں جن کا اثر دین کے اہم گوشے پر پڑتا تو خدا کی طرف سے اس کی تادیب بھی آجاتی جیسے کہ ایک جنگ کے موقع پر بعض لوگوں نے پیچھے رہنے کی اجازت چاہی اور حضورؐ نے دے دی۔ اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَآ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (۹/۴۳) اسی طرح سورۂ تحریم میں تادیب آگئی یَآ اَيُّهَا

النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ تک (۶۶:۱) اسی طرح سورۃ عبس میں ہے۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰٓی اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی وَھُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَھّٰی (۸۰: ۱-۱۰)

مندرجہ بالا تصریحات سے ظاہر ہے کہ وحی کی روشنی میں امورِ سلطنت کی سرانجام دہی میں جزئی معاملات میں حضورؐ سے اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ حضورؐ ان امور کو ایک بشر کی حیثیت سے سرانجام دیتے تھے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے دو نتائج لازماً پیدا ہوتے۔ اوّلاً یہ تصوّر کہ چونکہ حضورؐ نے جو کچھ کیا وہ ایک نبی کی حیثیت سے کیا اس لیے عام انسان اس کو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ آج بھی مایوسی کے عالم میں بعض جگہ یہ تصوّر پایا جاتا ہے کہ حضورؐ نے جو معاشرہ قائم کیا تھا وہ عام انسانوں کے بس کا روگ نہیں۔ اور وہ دوبارہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تصوّر بجائے خود سنّت رسول اللہ کی پیروی کی نفی ہے۔ دوسرا نتیجہ اس کا یہ تصوّر ہو سکتا ہے کہ اس لیے حضورؐ کے بعد نبیوں کے آنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ پھر سے اس قسم کا معاشرہ قائم کر سکیں (چونکہ عام انسان ایسا نہیں کر سکتے)۔

آپ خود سوچیے کہ یہ دونوں نتائج کس قدر خطرناک ہیں جو اس تصوّر کے نتیجہ کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں کہ حضورؐ نے جو کچھ بھی کیا ایک نبی کی حیثیت سے کیا۔ ختم نبوت انسانیت کے سفرِ زندگی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے شخصیتوں کا دور ختم ہوتا ہے اور اصول و اقدار کا دور شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تصوّر کہ حضورؐ نے جو کچھ کیا ایک نبی کی حیثیت سے کیا ختم نبوت کے اصول کی تردید کے مترادف ہے۔ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ..... (۳۳: ۴۰) جیسی واضح آیات کے بعد یہ کہنا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے تھے وحی کی رو سے کرتے تھے (اور وحی کا سلسلہ حضورؐ کی ذات کے ساتھ ختم ہو گیا) اس بات کا اعلان ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد دین کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا۔ حضرات خلفائے کرام اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وحی "الکتٰب" کے اندر محفوظ ہے اور اس کے بعد حضورؐ جو کچھ کرتے تھے باہمی

مشاورت سے کرتے تھے۔ اس لیے حضورؐ کی وفات کے بعد نظام میں کوئی تبدیلی واقعی نہیں ہوئی۔ سلطنت کی وسعت کے ساتھ تقاضے بڑھتے گئے اس لیے آئے دن نئے نئے امور سامنے آتے تھے جن کے تصفیہ کے لیے اگر کوئی پہلا فیصلہ مل جاتا جس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہوتی تو اسے علیٰ حالہٖ قائم رکھتے تھے۔ اگر اس میں تبدیلی کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے تبدیلی کر لیتے! اور اگر نئے فیصلے کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے نیا فیصلہ کر لیتے۔ یہ سب کچھ قرآن کی روشنی میں ہوتا تھا۔ یہی طریقہ رسول اللہ کا تھا۔ اور اسی کو حضور کے جانشینوں نے قائم رکھا۔ اسی کا نام اتباعِ سنتِ رسول اللہ ہے۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور جو کچھ کرتے تھے وحی کی رو سے کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ خدا کو اپنی طرف سے بھیجی ہوئی ایک قسم کی وحی پر (نعوذ باللہ) تسلی نہ ہوئی چنانچہ دوسری قسم کی وحی کا نزول شروع ہو گیا، یہ دو رنگی وحی آخر کیوں؟ پہلے آنے والے نبیوں پر جب وحی نازل ہوئی تو اس میں نزولِ قرآن کی طرف اشارہ تھا۔ تو کیا اس اللہ کے لیے جو ہر چیز پر قادر ہے یہ بڑا مشکل تھا کہ دوسری قسم کی وحی جس کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کا قرآن میں اشارہ کر دیتا۔ مجھے تو قرآن میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی۔ اگر آپ کسی آیت کی طرف اشارہ فرما سکیں تو مشکور ہوں گا۔ والسلام

مخلص

عبدالودود

جواب

محترمی و مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ مؤرخہ ۷ اگست سنہ ۶۰ء ملا۔ اس تازہ عنایت نامے میں آپ نے اپنے پیش کردہ ابتدائی چار سوالات میں سے پہلے سوال پر بحث کو محدود رکھتے ہوئے نبوت اور سنت کے متعلق اپنے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا تصورِ نبوت ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ جب بنیاد ہی میں غلطی موجود ہو تو بعد کے ان سوالات پر جو اسی بنیاد سے اٹھتے ہیں بحث کر کے ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ آپ میرے جواب پر مزید سوالات اٹھانے کے بجائے ان اصل مسائل پر گفتگو فرمائیں جو میں نے اپنے جواب میں بیان کیے ہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری اس گزارش کو قبول کر کے اوّلین بنیادی سوال پر اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ اب میں آپ کی، اور ان دوسرے لوگوں کی جو اس غلط فہمی میں گرفتار ہیں، کچھ خدمت انجام دے سکوں گا۔

نبوت اور سنت کا جو تصور آپ نے بیان کیا ہے وہ قرآن مجید کے نہایت ناقص مطالعے کا نتیجہ ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ آپ نے اس ناقص مطالعہ پر اتنا اعتماد کر لیا کہ پہلی صدی سے آج تک اس بارے میں ساری امت کے علماء اور عوام کا بالاتفاق جو عقیدہ اور عمل رہا ہے اسے آپ غلط سمجھ بیٹھے ہیں اور اپنے نزدیک یہ خیال کر لیا ہے کہ پونے چودہ سو سال کی طویل مدت میں تمام مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کو سمجھنے میں ٹھوکر کھا گئے ہیں، ان کے تمام علمائے قانون نے سنت کو ماخذِ قانون ماننے میں غلطی کی ہے اور ان کی تمام سلطنتیں اپنا قانونی نظام اس بنیاد پر قائم کرنے میں غلط فہمی کی شکار ہو گئی ہیں۔ آپ کے ان خیالات پر تفصیلی گفتگو تو میں آگے کی سطور میں کروں گا، لیکن اس گفتگو کا

آغاز کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ آپ ٹھنڈے دل سے اپنے دینی علم کی مقدار کا خود جائزہ لیں اور خود ہی سوچیں کہ وہ علم جو آپ نے اس بارے میں حاصل کیا ہے کیا وہ اتنے بڑے زعم کے لیے کافی ہے ؟ قرآن تنہا آپ ہی نے تو نہیں پڑھا ہے۔ کروڑوں مسلمان ہر زمانے میں اور دنیا کے ہر حصے میں اس کو پڑھتے رہے ہیں۔ اور بے شمار ایسے لوگ بھی اسلامی تاریخ میں گزرے ہیں اور آج بھی پائے جاتے ہیں جن کے لیے قرآن کا مطالعہ ان کے بہت سے مشاغل میں سے ایک ضمنی مشغلہ نہیں رہا ہے بلکہ انہوں نے اپنی عمریں اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے اور اس کے مضمرات سمجھنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے میں صرف کر دی ہیں۔ آخر آپ کو یہ غلط فہمی کیسے لاحق ہو گئی کہ نبوت جیسے بنیادی مسئلے میں یہ سب لوگ قرآن کا منشا بالکل الٹا سمجھ بیٹھے ہیں اور صحیح منشا صرف آپ پر اور آپ جیسے چند اصحاب پر اب منکشف ہوا ہے۔ پوری تاریخ اسلام میں آپ کسی ایک قابلِ ذکر عالم کا بھی نام نہیں لے سکتے جس نے قرآن سے منصبِ نبوت کا وہ تصور اخذ کیا ہو جو آپ بیان کر رہے ہیں اور سنت کی وہ حیثیت قرار دی ہو جو آپ قرار دے رہے ہیں۔ اگر ایسے کسی عالم کا حوالہ آپ دے سکتے ہیں تو براہِ کرم اس کا نام لیجیے۔

۱۔ منصبِ نبوت اور اس کے فرائض | آپ کی عقل و ضمیر سے یہ مخلصانہ اپیل کرنے کے بعد اب میں آپ کے پیش کردہ خیالات کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ آپ کی ساری بحث دس نکات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلا نکتہ خود آپ کے الفاظ میں یہ ہے:

"مجھے آپ سے سو فیصدی اتفاق ہے کہ حضورؐ معلم بھی تھے، حاکم بھی تھے، قاضی بھی تھے، سپہ سالار بھی۔ آپ نے افراد کی تربیت کی اور تربیت یافتہ افراد کو ایک منظم جماعت کی شکل دی۔ اور پھر ایک ریاست قائم کی۔"

یہ سو فی صدی اتفاق جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں، دراصل ایک فی صدی، بلکہ $\frac{1}{100}$ فی صدی بھی نہیں ہے، اس لیے کہ آپ نے حضورؐ کو محض معلم، حاکم، قاضی وغیرہ مانا ہے،

مامور من اللہ کی لازمی صفت کے ساتھ نہیں مانا ہے۔ حالانکہ سارا فرق اسی صفت کے ماننے اور نہ ماننے سے واقع ہوتا ہے۔ آگے چل کر آپ نے خود یہ بات واضح کر دی ہے کہ آپ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سارے کام رسول کی حیثیت میں نہیں بلکہ ایک عام انسان کی حیثیت میں تھے اور اسی وجہ سے اس حیثیت میں حضورؐ نے جو کام کیا ہے اسے آپ وہ سنت نہیں مانتے جو ماخذِ قانون ہو۔ دوسرے الفاظ میں آنحضور آپ کے نزدیک ایک معلم تھے مگر خدا کے مقرر کردہ نہیں بلکہ جیسے دنیا میں اور استاد ہوتے ہیں ویسے ہی ایک حضورؐ بھی تھے۔ اسی طرح آپؐ قاضی تھے، مگر خدا نے آپؐ کو اپنی طرف سے قاضی مقرر نہیں کیا تھا بلکہ دنیا کے عام ججوں اور مجسٹریٹوں کی طرح ایک جج یا مجسٹریٹ آپ بھی تھے۔ یہی پوزیشن حاکم اور مزکی اور قائد و رہنما کے معاملہ میں بھی آپ نے اختیار کی ہے کہ ان میں سے کوئی منصب بھی آپ کے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور من اللہ ہونے کی حیثیت سے حاصل نہ تھا۔

پہلا سوال یہ ہے کہ پھر یہ مناصب حضورؐ کو حاصل کیسے ہوتے؟ کیا مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں نے باختیار خود آپؐ کو اپنا لیڈر منتخب کیا تھا اور اس قیادت کے منصب سے وہ آپؐ کو ہٹا دینے کے بھی مجاز تھے؟ کیا مدینہ پہنچ کر جب اسلامی ریاست کی بنا ڈالی گئی اُس وقت انصار و مہاجرین نے کوئی مجلسِ مشاورت منعقد کر کے یہ طے کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس ریاست کے صدر اور قاضی اور افواج کے قائدِ اعلیٰ ہونگے؟ کیا حضورؐ کی موجودگی میں کوئی دوسرا مسلمان بھی ان مناصب کے لیے منتخب ہو سکتا تھا؟ اور کیا مسلمان اس کے مجاز تھے کہ آپؐ سے یہ سب مناصب، یا ان میں سے کوئی منصب واپس لیکر باہمی مشورے سے کسی اور کو سونپ دیتے؟ پھر کیا یہ بھی واقعہ ہے کہ مدینے کی اس ریاست کے لیے قرآن کے تحت تفصیلی قوانین اور ضابطے بنانے کی غرض سے کوئی بیجلیچر حضورؐ کے زمانہ میں قائم کی گئی تھی جس میں آپؐ صحابہ کے مشورے سے قرآن کا منشا

معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہوں اور اس مجلس کی رائے سے قرآن کا جو مفہوم متعین ہوتا ہو اس کے مطابق ملکی قوانین بنائے جاتے ہوں؟ اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو براہِ کرم اس کا کوئی تاریخی ثبوت ارشاد فرمائیں۔ اور اگر نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہے تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود رہنما، فرمانروا، قاضی، شارع اور قائدِ اعلیٰ بن بیٹھے تھے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضورؐ کی جو حیثیت آپ قرار دے رہے ہیں کیا قرآن بھی آپؐ کی وہ حیثیت قرار دیتا ہے؟ اس سلسلہ میں ذرا قرآن کھول کر دیکھیے کہ وہ کیا کہتا ہے۔

رسول بحیثیت معلم و مربی اس کتابِ پاک میں چار مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت کی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ... رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ۔ (البقرہ۔ آیت ۱۲۹)

اور یاد کرو جبکہ ابراہیم اور اسماعیل اس گھر (کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (انہوں نے دعا کی)... اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔

(البقرہ۔ آیت ۱۵۱)

جس طرح ہم نے تمہارے اندر خود تمہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ

اللہ نے ایمان لانے والوں پر احسان فرمایا جبکہ

بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

(آل عمران-۱۶۴)

ان کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

(الجمعہ-۲)

وہی ہے جس نے اُمّیوں کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ان آیات میں بار بار جس بات کو تاکید دُہرایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو صرف آیاتِ قرآن سُنا دینے کے لیے نہیں بھیجا تھا بلکہ اس کے ساتھ بعثت کے تین مقصد اور بھی تھے۔

ایک یہ کہ آپ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیں۔

دوسرے یہ کہ اس کتاب کے منشا کے مطابق کام کرنے کی حکمت سکھائیں۔

اور تیسرے یہ کہ آپ افراد کا بھی اور ان کی اجتماعی ہیئت کا بھی تزکیہ کریں، یعنی اپنی تربیت سے ان کی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کو دُور کریں اور ان کے اندر اچھے اوصاف اور بہتر نظامِ اجتماعی کو نشو و نما دیں۔

ظاہر ہے کہ کتاب اور حکمت کی تعلیم صرف قرآن کے الفاظ سنا دینے سے زائد ہی کوئی چیز تھی ورنہ اس کا الگ ذکر بے معنی تھا۔ اسی طرح افراد اور معاشرے کی تربیت کے لیے آپ جو تدابیر بھی اختیار فرماتے تھے وہ بھی قرآن کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے زائد ہی کچھ تھیں، ورنہ تربیت کی اس الگ خدمت کا ذکر کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ اب غور طلب یہ ہے کہ قرآن پہنچانے کے علاوہ یہ معلم اور مربّی کے مناصب جو حضورؐ کو حاصل تھے ان پر آپ خود فائز ہوئے تھے

تھے یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر مامور فرمایا تھا؟ کیا قرآن کی ان صاف اور مکرر تصریحات کے بعد اس کتاب پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ دونوں مناصب رسالت کے اجزاء نہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مناصب کے فرائض اور خدمات بحیثیت رسول نہیں بلکہ اپنی پرائیویٹ حیثیت میں انجام دیتے تھے؟ اگر نہیں کہہ سکتا تو بتائیے کہ قرآن کے الفاظ سنانے سے زائد جو باتیں حضورؐ نے تعلیم کتاب و حکمت کے سلسلے میں فرمائیں اور اپنے قول و عمل سے افراد اور معاشرہ کی جو تربیت حضورؐ نے کی اسے من جانب اللہ ماننے اور سند تسلیم کرنے سے انکار خود رسالت کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

رسول بحیثیت شارح کتاب اللہ سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (آیت ۴۴)

اور (اے نبیؐ) یہ ذکر ہم نے تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے واضح کر دو اُس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ جو احکام و ہدایات دے انکی آپ توضیح و تشریح فرمائیں۔ ایک موٹی سی عقل کا آدمی بھی کم از کم اتنی بات تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ کسی بات کی تشریح و توضیح محض اس کتاب کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے نہیں ہوتی بلکہ تشریح کرنے والا اس کے الفاظ سے زائد کچھ کہتا ہے تاکہ سننے والا کتاب کا مطلب پوری طرح سمجھ جائے، اور اگر کتاب کی کوئی بات کسی عملی مسئلے سے متعلق ہو تو شارح عملی مظاہرہ (PRACTICAL DEMONSTRATION) کر کے بتاتا ہے کہ مصنف کا منشا اس طرح عمل کرنا ہے۔ یہ نہ ہو تو کتاب کے الفاظ کا مطلب و مدعا پوچھنے والے کو پھر کتاب کے الفاظ ہی سنا دینا کسی طفلِ مکتب کے نزدیک بھی تشریح و توضیح قرار نہیں پا سکتا۔ اب فرمائیے کہ اس آیت کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح اپنی ذاتی حیثیت میں تھے یا خدا نے آپ کو شارح مقرر کیا تھا؟ یہاں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر کتاب نازل کرنے کا مقصد ہی یہ بیان کر رہا ہے کہ رسول اپنے قول اور عمل سے اس کا مطلب واضح کرے

پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ شارحِ قرآن کی حیثیت سے آپ کے منصب کو رسالت کے منصب سے الگ قرار دیا جائے اور آپ کے پہنچائے ہوئے الفاظِ قرآن کو لیکر آپ کی شرح و تفسیر قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے تو کیا یہ انکار خود رسالت کا انکار نہ ہوگا؟

رسولؐ بحیثیت پیشوا و نمونۂ تقلید | سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ .... قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (آیات ۳۱-۳۲)

(اے نبیؐ) کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کریگا .... کہو کہ اطاعت کرو اللہ اور رسول کی پھر اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سورۂ احزاب میں فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ (آیت ۲۱)

تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک نمونۂ تقلید ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر کا اُمیدوار ہو۔

ان دونوں آیتوں میں خود اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو پیشوا مقرر کر رہا ہے، ان کی پیروی کا حکم دے رہا ہے، ان کی زندگی کو نمونۂ تقلید قرار دے رہا ہے، اور صاف فرما رہا ہے کہ یہ روش اختیار نہ کروگے تو مجھ سے کوئی اُمید نہ رکھو، میری محبت اس کے بغیر تمہیں حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس سے مُنہ موڑنا کفر ہے۔ اب فرمایئے کہ حضورؐ رہنما اور لیڈر خود بن بیٹھے تھے؟ یا مسلمانوں نے آپؐ کو منتخب کیا تھا؟ یا اللہ نے اس منصب پر آپؐ کو مامور کیا تھا؟ اگر قرآن کے یہ الفاظ بالکل غیر مشتبہ طریقے سے آنحضورؐ کو مامور من اللہ رہنما و پیشوا قرار دے رہے ہیں تو پھر آپؐ کی پیروی اور آپؐ کے نمونۂ زندگی کی تقلید سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہنا سراسر لغو ہے کہ اس سے مراد قرآن کی پیروی ہے۔ اگر یہ مراد ہوتی تو فَاتَّبِعُوا الْقُرْاٰن فرمایا جاتا نہ کہ فَاتَّبِعُوْنِيْ ۔ اور اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

کو اُسوہ حسنہ کہنے کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

رسول بحیثیت شارع سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (آیت ۱۵۷)

وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے ان کو روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بند من اتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریعی اختیارات (LEGISLATIVE POWERS) عطا کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ بلکہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام یا حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضورؐ نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے، وہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ہے، اس لیے وہ بھی قانونِ خداوندی کا ایک حصہ ہے۔ یہی بات سورۂ حشر میں اسی صراحت کے ساتھ ارشاد ہوئی ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (آیت ۷)

جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سے کسی کی یہ تاویل نہیں کی جا سکتی کہ ان میں قرآن کے امر اور قرآن کی تحلیل و تحریم کا ذکر ہے۔ یہ تاویل نہیں بلکہ اللہ کے کلام میں ترمیم ہو گی۔ اللہ نے تو یہاں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو رسول کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا۔ پھر کیا کوئی شخص اللہ میاں سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ سے بیان میں غلطی ہو گئی، آپ بھولے سے قرآن کے بجائے رسول کا نام لے گئے؟

رسول بحیثیت قاضی | قرآن میں ایک جگہ نہیں، بکثرت مقامات پر اللہ تعالیٰ اس امر کی تصریح فرماتا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قاضی مقرر کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ (النساء۔ ۱۰۵)

(اے نبی) ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو۔

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔ (الشوریٰ ۱۵)

اور (اے نبی) کہو کہ میں ایمان لایا ہوں اُس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (النور۔ ۵۱)

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء: ۶۱)

اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف اور رسول کی طرف تو تم دیکھتے ہو منافقوں کو کہ وہ تم سے کنی کتراتے ہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء: ۶۵)

پس (اے نبی) تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہونگے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ تو کرے اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ اسے بسر و چشم قبول کریں۔

یہ تمام آیتیں اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ساختہ، یا مسلمانوں کے مقرر کیے ہوئے جج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے جج تھے۔ تیسری آیت بتا رہی ہے کہ آپ کی جج ہونے کی حیثیت مسلمات کی حیثیت سے الگ نہیں تھی بلکہ رسول ہی کی حیثیت میں آپ جج بھی تھے اور ایک مومن کا ایمان بالرسالت اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپ کی اس حیثیت کے آگے بھی سمع و طاعت کا رویہ نہ اختیار کرے۔ چوتھی آیت میں ما انزل اللہ (قرآن) اور رسول دونوں کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ حاصل کرنے کے لیے دو مستقل مرجع ہیں، ایک قرآن قانون کی حیثیت سے، دوسرے رسولؐ جج کی حیثیت سے، اور ان دونوں سے منہ موڑنا منافق کا کام ہے نہ کہ مومن کا۔ آخری آیت میں بالکل بے لاگ طریقے سے کہدیا گیا ہے کہ رسولؐ کو جو شخص جج کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا وہ مومن ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر رسولؐ کے دیئے ہوئے فیصلے پر کوئی شخص اپنے دل میں بھی تنگی محسوس کرے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ کیا قرآن کی ان تصریحات کے بعد بھی آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضورؐ رسول کی حیثیت سے قاضی نہ تھے بلکہ دنیا کے عام ججوں اور میجسٹریٹوں کی طرح آپؐ بھی ایک جج یا میجسٹریٹ تھے، اس لیے ان کے فیصلوں کی طرح حضور کے فیصلے بھی ماخذِ قانون نہیں بن سکتے؟ کیا دنیا کے کسی جج کی یہ حیثیت ہو سکتی ہے کہ اس کا فیصلہ اگر کوئی نہ مانے یا اس پر تنقید کرے یا اپنے دل میں بھی اُسے غلط سمجھے تو اس کا ایمان سلب ہو جائے!

رسول بحیثیتِ حاکم و فرمانروا | قرآن مجید اسی صراحت اور تکرار کے ساتھ بکثرت مقامات پر یہ بات بھی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حاکم و فرمانروا تھے اور آپ کو یہ منصب بھی رسول ہی کی حیثیت سے عطا ہوا تھا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء۔ ۶۴)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن (SANCTION) سے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (النساء - ۸۰)

جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح - ۱۰)

(اے نبی) یقیناً جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد - ۳۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کر لو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔ (الاحزاب - ۳۶)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کر دے تو پھر ان کے لیے اپنے اس معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کر لینے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (النساء - ۵۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روزِ آخر پر

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسول کوئی ایسا حاکم نہیں ہے جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا سربراہ بن بیٹھا ہو، یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیا ہوا فرمانروا ہے۔ اس کی فرمانروائی اس کے منصبِ رسالت سے الگ

کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکمِ مطاع ہونا ہے۔ اس کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے بیعت دراصل اللہ سے بیعت ہے۔ اس کی اطاعت نہ کرنے کے معنی اللہ کی نافرمانی کے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں اہلِ ایمان کو (جن میں ظاہر ہے کہ پوری امت اور اس کے حکمران اور اس کے "مرکزِ ملت" سب شامل ہیں) قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس معاملہ کا فیصلہ وہ کر چکا ہو اس میں وہ خود کوئی فیصلہ کریں۔

اِن تمام تصریحات سے بڑھ کر صاف اور قطعی تصریح آخری آیت کرتی ہے جس میں یکے بعد دیگرے تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے:

سب سے پہلے اللہ کی اطاعت۔

اس کے بعد رسولؐ کی اطاعت۔

پھر تیسرے درجے میں اولی الامر (یعنی آپ کے "مرکزِ ملت") کی اطاعت۔

اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسول اولی الامر میں شامل نہیں ہے، بلکہ ان سے الگ اور بالاتر ہے اور اس کا درجہ خدا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ اولی الامر سے نزاع ہو سکتی ہے مگر رسولؐ سے نزاع نہیں ہو سکتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نزاعات میں فیصلے کے لیے مرجع دو ہیں، ایک اللہ، دوسرا اس کے بعد اللہ کا رسولؐ۔ ظاہر ہے کہ اگر مرجع صرف اللہ ہوتا تو صراحت کے ساتھ رسولؐ کا ذکر محض بے معنی ہوتا۔ پھر جبکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ عہد رسالت میں خود ذاتِ رسول کی طرف اور اس عہد کے بعد سنتِ رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔[1]

---

[1] بلکہ اگر غائر نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود عہدِ رسالت میں بھی بہت بڑی حد تک سنتِ رسولؐ ہی مرجع تھی۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانے میں اسلامی حکومت پورے جزیرہ

سُنّت کے ماخذِ قانون ہونے پر اُمّت کا اجماع اب اگر آپ واقعی قرآن کو مانتے ہیں، اور اِس کتابِ مقدس کا نام لیکر خود اپنے من گھڑت نظریات کے معتقد بنے ہوئے نہیں ہیں، تو دیکھ لیجیے کہ قرآنِ مجید صاف و صریح اور قطعاً غیر مشتبہ الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا مُعلّم، مُربّی، پیشوا، رہنما، شارحِ کلام اللہ، شارع (LAW GIVER)، قاضی اور حاکم و فرمانروا قرار دے رہا ہے، اور حضورؐ کے یہ تمام مناصب اس کتابِ پاک کی رُو سے منصبِ رسالت کے اجزائے لاینفک ہیں۔ کلامِ الٰہی کی یہی تصریحات ہیں جن کی بنا پر صحابۂ کرام کے دَور سے لیکر آج تک تمام مسلمانوں نے بالاتفاق یہ مانا ہے کہ مذکورۂ بالا تمام حیثیات میں حضورؐ نے جو کام کیا ہے وہ قرآن کے بعد دوسرا ماخذِ قانون (SOURCE OF LAW) ہے۔ جب تک کوئی شخص انتہائی برخود غلط نہ ہو، وہ اس پندار میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ تمام دنیا کے مسلمان اور ہر زمانے کے سارے مسلمان قرآنِ پاک کی اِن آیات کو سمجھنے میں غلطی کر گئے ہیں اور ٹھیک مطلب بس اُس نے سمجھا ہے کہ حضورؐ صرف قرآن پڑھ کر سنا دینے کی حد تک رسول تھے، اور اس کے بعد آپ کی حیثیت ایک عام مسلمان کی تھی۔ آخر اُس کے ہاتھ وہ کونسی نرالی لغت آگئی ہے جس کی مدد سے قرآن کے الفاظ کا وہ مطلب اس نے سمجھا جو پوری اُمّت کی سمجھ میں کبھی نہ آیا؟

۲۔ رسولِ پاکؐ کے تشریعی اختیارات دوسرا نکتہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

"لیکن اس بات پر آپ سے اتفاق نہیں ہے کہ تیئس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں حضورؐ نے جو کچھ کیا تھا یہ وہ سنّت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکمِ اعلیٰ کے قانون برتر کی تشکیل

عرب پر پھیلی ہوئی تھی۔ دس بارہ لاکھ مربع میل کے اس وسیع و عریض ملک میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہر معاملہ کا فیصلہ براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا جاتے۔ لامحالہ اُس زمانے میں بھی اسلامی حکومت کے گورنروں، قاضیوں اور دوسرے حکّام کو معاملات کے فیصلے کرنے میں قرآن کے بعد جس دوسرے ماخذِ قانون کی طرف رجوع کرنا ہوتا تھا وہ سنّتِ رسول ہی تھی۔

تکمیل کرتی ہے۔ بے شک حضورؐ نے حاکمِ اعلیٰ کے قانون کے مطابق معاشرہ کی تشکیل تو فرمائی لیکن یہ کہ کتاب اللہ کا قانون (نعوذ باللہ) نامکمل تھا اور جو کچھ حضورؐ نے عملاً کیا، اس سے اس قانون کی تکمیل ہوئی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔"

اسی سلسلے میں آگے چل کر آپ پھر فرماتے ہیں

"نہ معلوم آپ کن وجوہات کی بنا پر کتاب اللہ کے قانون کو نامکمل قرار دیتے ہیں۔ کم از کم میرے لیے تو یہ تصور بھی جسم میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔ کیا آپ قرآنِ کریم سے کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں گے جس سے معلوم ہو کہ قرآن کا قانون نامکمل ہے؟"

ان فقروں میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے جو علمِ قانون کے ایک مسلّم قاعدے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے آپ کو لاحق ہوئی ہے۔ دنیا بھر میں یہ قاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ قانون سازی کا اختیارِ اعلیٰ جس کو حاصل ہو وہ اگر ایک مجمل حکم دیکر یا ایک عمل کا حکم دے کر، یا ایک اصول طے کر کے اپنے ماتحت کسی شخص یا ادارے کو اس کی تفصیلات کے بارے میں قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے اختیارات تفویض کر دے تو اس کے مرتب کردہ قواعد ضوابط قانون سے الگ کوئی چیز نہیں ہوتے بلکہ اُسی قانون کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ قانون ساز کا اپنا منشا یہ ہوتا ہے کہ جس عمل کا حکم اُس نے دیا ہے، ذیلی قواعد (BYE LAWS) بنا کر اس پر عملدرآمد کا طریقہ (PROCEDURE) مقرر کر دیا جائے، جو اصول اس نے طے کیا ہے اس کے مطابق مفصل قوانین بنائے جائیں، اور جو مجمل ہدایت اس نے دی ہے اس کے منشا کو تفصیلی شکل میں واضح کر دیا جائے۔ اسی غرض کے لیے وہ خود اپنے ماتحت شخص یا اشخاص یا اداروں کو قواعد و ضوابط مرتب کرنے کا مجاز کرتا ہے۔ یہ ذیلی قواعد بلاشبہ اصل ابتدائی قانون کے ساتھ مل کر اس کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قانون ساز نے غلطی سے ناقص قانون بنایا تھا، اور کسی دوسرے نے آکر اس کا نقص دُور کیا۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قانون ساز نے اپنے قانون کا بنیادی حصہ خود بیان کیا اور تفصیلی حصہ اپنے مقرر کیے ہوئے

ایک شخص یا ادارے کے ذریعہ سے مرتب کرا دیا۔

حضورؐ کے تشریعی کام کی نوعیت | اللہ تعالیٰ نے اپنی قانون سازی میں یہی قاعدہ استعمال فرمایا ہے۔ اس نے قرآن میں مجمل احکام اور ہدایات دیکر، یا کچھ اصول بیان کرکے، یا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کرکے یہ کام اپنے رسولؐ کے سپرد کیا کہ وہ نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب کریں بلکہ عملاً اسے برت کر اور اس کے مطابق کام کرکے بھی دکھا دیں۔ یہ تفویضِ اختیارات کا فرمان خود قانون کے متن (یعنی قرآن مجید) میں موجود ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (النحل آیت ۴۴)

اور (اے نبیؐ) ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے واضح کر دو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس صریح فرمانِ تفویض کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قولی اور عملی بیان، قرآن کے قانون سے الگ کوئی چیز ہے۔ یہ درحقیقت قرآن ہی کی رُو سے اس کے قانون کا ایک حصہ ہے۔ اس کو چیلنج کرنے کے معنی خود قرآن کو اور خدا کے پروانۂ تفویض کو چیلنج کرنے کے ہیں۔

اس تشریعی کام کی چند مثالیں | یہ اگرچہ آپ کے نکتے کا پورا جواب ہے، لیکن میں مزید تفہیم کی خاطر چند مثالیں دیتا ہوں جن سے آپ سمجھ سکیں گے کہ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح و بیان کے درمیان کس قسم کا تعلق ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے (وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ التوبہ۔ ۱۰۸) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی کہ اپنے لباس کو پاک رکھیں (وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ المدثر۔ ۴) حضورؐ نے اس منشا پر عمل درآمد کے لیے استنجا اور طہارتِ جسم و لباس کے متعلق مفصل ہدایات دیں اور ان پر خود عمل کرکے بتایا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر تم کو جنابت لاحق ہو گئی ہو تو پاک ہوئے بغیر نماز نہ پڑھو

والنساء-۴۳ المائدہ-۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ جنابت سے کیا مراد ہے۔ اس کا اطلاق کن حالتوں پر ہوتا ہے اور کن حالتوں پر نہیں ہوتا۔ اور اس سے پاک ہونے کا طریقہ کیا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنا منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو، سر پر مسح کرو اور پاؤں دھوؤ، یا ان پر مسح کرو (المائدہ-۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ منہ دھونے کے حکم میں کلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے۔ کان سر کا ایک حصہ ہیں اور سر کے ساتھ ان پر بھی مسح کرنا چاہیے۔ پاؤں میں موزے ہوں تو مسح کیا جائے اور موزے نہ ہوں تو ان کو دھونا چاہیے۔ اس کے ساتھ آپ نے تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ وضو کن حالات میں ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالات میں باقی رہتا ہے

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ رکھنے والا رات کو اس وقت تک کھا پی سکتا ہے جب تک فجر کے وقت کا لاتا گا سفید تاگے سے ممیز نہ ہو جائے (حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ البقرہ ۱۸۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اس سے مراد تاریکی شب کے مقابلہ میں سپیدۂ صبح کا نمایاں ہونا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں بعض اشیاء کے حرام اور بعض کے حلال ہونے کی تصریح کرنے کے بعد باقی اشیاء کے متعلق یہ عام ہدایت فرمائی کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کی گئی ہیں (المائدہ-۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے اس کی تفصیل بتائی کہ پاک چیزیں کیا ہیں جنہیں ہم کھا سکتے ہیں اور ناپاک چیزیں کونسی ہیں جن سے ہم کو بچنا چاہیے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میت کی نرینہ اولاد کوئی نہ ہو اور ایک لڑکی ہو تو وہ نصف ترکہ پائے گی اور دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کو ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا (النساء-۱۱) اس میں یہ بات واضح نہ تھی

کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو وہ کتنا حصہ پائیں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توضیح فرمائی کہ دو لڑکیوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا دو سے زائد لڑکیوں کا مقرر کیا گیا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا (النساء۔۲۳)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

[قرآن[1] مردوں کو اجازت دیتا ہے کہ دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کرلیں (النساء۔۳)۔ یہ الفاظ اس معاملہ میں قطعاً واضح نہیں ہیں کہ ایک مرد بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ حکم کے اس منشا کی وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور جن لوگوں کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں ان کو آپ نے حکم دیا کہ زائد بیویوں کو طلاق دے دیں۔

قرآن حج کی فرضیت کا عام حکم دیتا ہے اور یہ صراحت نہیں کرتا کہ اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے آیا ہر مسلمان کو ہر سال حج کرنا چاہیے یا عمر میں ایک بار کافی ہے یا ایک سے زیادہ مرتبہ جانا چاہیے (آل عمران۔۹۷)۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تشریح ہے جس سے ہم کو معلوم ہوا کہ عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کرکے آدمی فریضۂ حج سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔

قرآن سونے اور چاندی کے جمع کرنے پر سخت وعید فرماتا ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۳۴ کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔ اس کے عموم میں اتنی گنجائش بھی نظر نہیں آتی کہ آپ روز مرہ کے خرچ سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھ سکیں، یا آپ کے گھر کی خواتین کے پاس سونے یا چاندی کا ایک تار بھی زیور کے طور پر رہ سکے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنہوں نے بتایا کہ سونے اور چاندی کا نصاب کیا ہے، اور بقدر نصاب یا اس سے زیادہ سونا چاندی

---

[1] بعد کا اضافہ

رکھنے والا آدمی اگر اس پڑھائی فی صدی کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے تو وہ قرآن مجید کی اِس وعید کا مستحق نہیں رہتا۔]

ان چند مثالوں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ تشریعی اختیارات کو استعمال کر کے قرآن کے احکام و ہدایات اور اشارات و مضمرات کی کس طرح شرح و تفسیر فرمائی ہے۔ یہ چیز چونکہ خود قرآن میں دیئے ہوئے فرمانِ تفویض پر مبنی تھی اس لیے یہ قرآن سے الگ کوئی مستقل بالذات قانون نہیں ہے بلکہ قرآن کے قانون ہی کا ایک حصہ ہے۔

۳۔ سُنّت اور اتباعِ سنّت کا مفہوم تیسرا نکتہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سنت رسول اللہ کا اتباع یہ ہے کہ جو کام حضورؐ نے کیا وہی ہم کریں، نہ یہ کہ جس طرح حضورؐ نے کیا اُسی طرح ہم بھی کریں۔ "اگر حضورؐ نے ما انزل اللہ کو دوسروں تک پہنچایا تو امت کا بھی فریضہ ہے کہ ما انزل اللہ کو دوسروں تک پہنچائے۔"[1]

سُنّت اور اس کے اتباع کا یہ مفہوم جو آپ نے متعین کیا ہے اس کے متعلق میں صرف اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ خود اُس ما انزل اللہ کے مطابق نہیں ہے جس کے اتباع کو آپ واجب مانتے ہیں۔ ما انزل اللہ کی رُو سے تو سنّت کا اتباع یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے مقرر کیے ہوئے معلّم، مربّی، شارع، قاضی، حاکم و فرمانروا اور شارحِ قرآن ہونے کی حیثیت سے جو کچھ فرمایا اور عمل کر کے دکھایا ہے اسے آپ سنتِ رسولؐ مانیں اور اس کا اتباع کریں۔ اس کے دلائل میں اوپر بیان کر چکا ہوں، اس لیے انہیں دُہرانے کی حاجت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے مسواک والی بات جو لکھی ہے اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے

---

[1] یہ بات ارشاد فرماتے وقت ڈاکٹر صاحب اس امر واقعہ کو بھول گئے کہ حضورؐ نے پہلا کام تو نبوت کے دعوے کا کیا تھا۔ اس لحاظ سے اتباعِ سنت کا پہلا تقاضا یہ قرار پاتا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کر ڈالا جائے۔

کہ سنجیدہ علمی مباحث میں اِس قسم کی مہمل باتوں کو بطور نظیر لاکر کسی مسئلے کا تصفیہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر نقطۂ نظر کے حامیوں میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنی غیر معقول باتوں سے اپنے نقطۂ نظر کو مضحکہ انگیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کی باتوں سے استدلال کر کے بجائے خود اُس نقطۂ نظر کی تردید کرنے کی کوشش اگر آپ کریں گے تو اس کے معنی اس کے سوا کچھ نہ ہونگے کہ وزنی دلائل کا مقابلہ کرنے سے پہلو تہی کر کے آپ صرف کمزور باتیں زور آزمائی کے لیے تلاش کرتے ہیں۔

اسی طرح آپ کی یہ دلیل بھی بہت کمزور ہے کہ اتباعِ سنّت کے معنی آج کے ایٹمی دَور میں تیروں سے لڑنے کے ہیں کیونکہ حضورؐ کے زمانے میں تیروں ہی سے جنگ کی جاتی تھی۔ آخر آپ سے کس نے کہا ہے کہ اتباعِ سنّت کے معنی یہ ہیں؟ اتباعِ سنت کے یہ معنی اہلِ علم نے کبھی نہیں لیے ہیں کہ ہم جہاد میں وہی اسلحہ استعمال کریں جو حضورؐ کے زمانہ میں استعمال ہوتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ اس کے معنی یہی سمجھے گئے ہیں کہ ہم جنگ میں اُن مقاصد، اُن اخلاقی اصولوں اور اُن شرعی ضابطوں کو ملحوظ رکھیں جن کی ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے دی ہے، اور اُن اغراض کے لیے لڑنے اور وہ کارروائیاں کرنے سے باز رہیں جن سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

۴۔ رسولِ پاکؐ کس وحی کے اتباع پر مامور تھے اور ہم کس کے اتباع پر مامور ہیں؟

آپ کا چوتھا نکتہ آپ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ:

> "ان تمام اعمال میں جو حضورؐ نے تیئس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں کیے وہ اسی ما انزل اللہ کا، جو کتاب اللہ میں موجود ہے، اتباع کرتے تھے اور امت کو بھی یہی حکم ملا کہ اسی کا اتباع کرے۔ جہاں اِتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۷/۳) کہہ کر امت کے افراد کو تلقین کی وہاں یہ بھی اعلان ہوا کہ حضورؐ بھی اسی کا اتباع کرتے ہیں۔ قُلِ اِتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ (۶/۵۰)۔"

اس عبارت میں آپ نے دو آیتیں نقل کی ہیں، اور دونوں نہ صرف یہ کہ غلط نقل کی ہیں، بلکہ نقل میں بھی ایسی غلطیاں کی ہیں جو عربی زبان کی شُدبُد کا علم رکھنے والا بھی نہیں کر سکتا۔ پہلی آیت دراصل یہ ہے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ "یعنی پیروی کرو اُس کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے"۔ آپ کے نقل کردہ الفاظ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "پیروی کرو اُس کی جو اللہ نے تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا ہے"۔ دوسری آیت کے اصل الفاظ قرآن مجید میں یہ ہیں قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ (۷/۲۰۳)۔ "کہو کہ میں تو اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی جانب سے بھیجی جاتی ہے"۔ آپ نے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے "کہو کہ پیروی کرو اُس وحی کی جو میری طرف میرے رب کی جانب سے بھیجی جاتی ہے"۔ میں نے ان غلطیوں پر آپ کو صرف اِس لیے متنبہ کیا ہے کہ آپ کسی وقت ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ایک طرف قرآن سے آپ کی واقفیت کا یہ حال ہے اور دوسری طرف آپ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ساری اُمّت کے اہلِ علم و تحقیق قرآن کو غلط سمجھے ہیں اور آپ نے اس کو صحیح سمجھا ہے۔

اب رہا اصل مسئلہ، تو اس میں آپ نے دو باتیں کہی ہیں اور دونوں غلط ہیں۔ ایک بات آپ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف وہی وحی آتی تھی جو قرآن میں موجود ہے اور حضورؐ کو صرف اسی کی پیروی کا حکم تھا۔ حالانکہ خود قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ حضورؐ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے احکام نازل ہوتے تھے اور آپ ان دونوں قسم کی وحیوں کا اتباع کرنے پر مامور تھے[1]۔ دوسری بات آپ یہ فرماتے ہیں کہ امت کو صرف قرآن کی پیروی کا حکم ہے۔ حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ امت کو رسولِ پاک کی پیروی کا حکم بھی ہے۔

۱۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران-۳۱)" اے

---

[1] اس کا ثبوت آخری سوال کے جواب میں دیا جا رہا ہے۔

نبی کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔"

۲- وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ (الاعراف ۱۵۶-۱۵۷) "میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ اور اس رحمت کو میں ان لوگوں کے لیے لکھ دونگا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول نبی امی کی جس کا ذکر وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔"

۳- وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ (البقرہ ۱۴۳) "اور ہم نے وہ قبلہ جس پر اب تک تم تھے اسی لیے مقرر کیا تھا تاکہ یہ دیکھیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔"

ان آیات میں رسول کی پیروی کرنے کے حکم کو تاویل کے خراد پر چڑھا کر یہ معنی نہیں پہنائے جا سکتے کہ اس سے مراد دراصل قرآن کی پیروی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اگر واقعی مقصود یہی ہوتا کہ لوگ رسول کی نہیں بلکہ قرآن کی پیروی کریں تو آخر کیا وجہ ہے کہ آیت نمبر ا میں اللہ تعالیٰ نے فَاتَّبِعُوا كِتَابَ اللهِ کہنے کے بجائے فَاتَّبِعُونِي کے الفاظ استعمال فرمائے؛ کیا آپ کی رائے میں یہاں اللہ میاں سے چوک ہو گئی ہے؟

پھر آیت نمبر ۲ میں تو اس تاویل کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اس میں آیات خداوندی پر ایمان لانے کا ذکر الگ ہے اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ذکر الگ۔

ان سب سے زیادہ کھلی ہوئی آیت نمبر ۳ ہے جو ایسی ہر تاویل کی جڑ کاٹ دیتی ہے! اور ساتھ ساتھ آپ کے اس مفروضے کا بھی قلع قمع کر دیتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے سوا اور کسی صورت میں وحی نہیں آتی تھی۔ مسجد حرام کو قبلہ قرار دینے سے پہلے مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اسے قبلہ بنانے کا کوئی حکم قرآن میں نہیں آیا ہے۔ اگر آیا ہو تو آپ اس کا حوالہ

دے دیں۔ یہ واقعہ ناقابلِ انکار ہے کہ وہ قبلہ آغازِ اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا اور تقریباً ۱۳ سال تک اسی کی طرف حضورؐ اور صحابۂ کرام نماز ادا کرتے رہے۔ ۱۳ سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی اس آیت میں حضورؐ کے اس فعل کی توثیق فرمائی۔ اور یہ اعلان فرمایا کہ یہ قبلہ ہمارا مقرر کیا ہوا تھا، اور اسے ہم نے اپنے رسول کے ذریعہ سے اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اس سے منہ موڑتا ہے۔ یہ ایک طرف اس امر کا صریح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے احکام نازل ہوتے تھے۔ اور دوسری طرف یہی آیت پوری صراحت کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن احکام کا اتباع کرنے پر بھی مامور ہیں جو قرآن میں مذکور نہ ہوں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کے ایمان بالرسالت کی آزمائش ہی اس طریقہ سے ہوتی ہے کہ رسولؐ کے ذریعہ سے جو حکم دیا جائے اسے وہ مانتے ہیں یا نہیں! اب آپ اور آپ کے ہم خیال حضرات خود سوچ لیں کہ اپنے آپ کو کس خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ اگر آپ کے دل میں واقعی خدا کا اتنا خوف ہے کہ اس کی ہدایت کے خلاف طرزِ عمل کا تصور کرنے سے بھی آپ کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، تو میری گزارش یہ ہے کہ بحث و مناظرہ کے جذبے سے اپنے ذہن کو پاک کر کے اوپر کی چند سطروں کو مکرر پڑھیں۔ خدا کرے کہ آپ کے جسم پر کپکپی طاری ہو اور آپ اس گمراہی سے بچ نکلیں جس میں محض اپنے ناقص مطالعے کی وجہ سے پڑ گئے ہیں۔

۵۔ مرکزِ ملت | پانچواں نکتہ آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

"چونکہ دین کا تقاضا یہ تھا کہ کتاب پر عمل اجتماعی شکل میں ہو، اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص قرآن پر اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرے اور دوسرا اپنی سمجھ کے مطابق، اس لیے نظام کو قائم رکھنے کے لیے ایک زندہ شخصیت کی ضرورت ہے اور مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ جہاں اجتماعی نظام کے قیام کا سوال ہو

وہاں پہنچانے والے کا مقام بہت آگے ہوتا ہے۔ کیونکہ پیغام اس نے اس لیے پہنچایا کہ وحی اس کے سوا کسی اور کو نہیں ملتی، چنانچہ قرآن نے اسی لیے واضح کر دیا کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ چنانچہ حضور مرکزِ ملت بھی تھے۔ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل یہی ہے کہ حضورؐ کے بعد بھی اسی طرح مرکزیت کو قائم رکھا جائے، چنانچہ اسی نکتہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں واضح کر دیا کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔[1] (۳/۱۴۴)

اس نکتہ کو آپ نے اچھی طرح کھول کر بیان نہیں فرمایا ہے۔ آپ کے مجموعی ارشادات کی مدد سے آپ کا جو مدعا سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض اجتماعی نظام قائم کرنے کی خاطر اپنے زمانے میں رسول کے علاوہ "مرکزِ ملت" بھی بنائے گئے تھے۔ آپؐ کی رسول ہونے کی حیثیت تو دائمی تھی، مگر "مرکزِ ملت" ہونے کی حیثیت صرف اس وقت تک تھی جب تک آپؐ کی زندہ شخصیت نظامِ جماعت چلا رہی تھی۔ پھر جب آپؐ کی وفات ہو گئی تو آپؐ کے بعد جس زندہ شخصیت کو نظام قائم رکھنے کے لیے سربراہ بنایا گیا اور اب بنایا جائے وہ اپنے زمانے کے لیے ویسا ہی "مرکزِ ملت" تھا اور ہو گا جیسے حضورؐ اپنے زمانے کے لیے تھے۔ اب سنتِ رسولؐ کی پیروی بس یہی ہے کہ ہم نظام قائم رکھنے کے لیے یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ "مرکزِ ملت" قائم کرتے رہیں۔ اس معاملہ میں بعد کے مراکزِ ملت پر اگر حضورؐ کو کوئی فوقیت ہے تو صرف یہ کہ قرآن پہنچانے والے کی حیثیت سے آپؐ کا مقام بہت آگے ہے۔

چند اصولی سوالات | آپ کے کلام کی یہ تفسیر جو میں نے کی ہے یہ اگر صحیح نہیں ہے تو آپ تصحیح فرما دیں۔ صاحبِ کلام ہونے کی حیثیت سے آپ کی اپنی تفسیر صحیح تر ہو گی۔ لیکن اگر میں نے آپ کا مطلب ٹھیک سمجھا ہے تو اس پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

---

[1] یہاں بھی آیت نقل کرنے میں غلطیاں کی گئی ہیں۔ وَمَا مُحَمَّدًا نہیں بلکہ وَمَا مُحَمَّدٌ ہے اور مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلِ نہیں بلکہ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ہے۔

اوّل یہ کہ "مرکزِ ملّت" سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ رسالت کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اللہ کی کتاب پہنچانے والے ہیں، اس کتاب کی تشریح و توضیح کرنے والے ہیں، اس کے مطابق کام کرنے کی حکمت سکھانے والے ہیں، افراد اور جماعت کا تزکیہ کرنے والے ہیں، مسلمانوں کے لیے نمونۂ تقلید ہیں، وہ رہنما ہیں جس کی پیروی خدا کے حکم سے واجب ہے، آمر و ناہی اور تحلیل و تحریم کے اختیارات رکھنے والے شارع (LAW-GIVER) ہیں، قاضی ہیں، اور حاکمِ مُطاع ہیں۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ تمام مناصب حضورؐ کو رسول ہونے کی حیثیت سے حاصل تھے اور منصبِ رسالت پر آپ کے مامور ہونے کا مطلب ہی یہ تھا کہ آپ ان سب مناصب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیے گئے تھے۔ اس باب میں قرآن کے واضح ارشادات میں پہلے نقل کر چکا ہوں جنہیں دُہرانے کی حاجت نہیں۔ اب چونکہ "مرکزِ ملّت" قرآن کی نہیں بلکہ آپ لوگوں کی اپنی بنائی ہوئی اصطلاح ہے، اس لیے براہِ کرم آپ یہ بتائیں کہ "مرکزِ ملّت" کا منصب ان مناصب کے ماسوا کچھ ہے؟ یا انہی مناصب کا مجموعہ ہے؟ یا ان میں سے بعض مناصب اس میں شامل ہیں اور بعض نہیں ہیں؟ اگر وہ ان کے ماسوا کچھ ہے تو وہ کیا ہے اور حضورؐ کے اُس منصب کا علم آپ کو کس ذریعہ سے حاصل ہوا ہے؟ اگر وہ انہی مناصب کا مجموعہ ہے تو آپ اس کو رسالت سے الگ کیسے قرار دیتے ہیں؟ اور اگر ان میں سے بعض مناصب "مرکزِ ملّت" کے ہیں اور بعض منصبِ رسالت کے تو وہ کون کون سے مناصب ہیں جو مرکزِ ملّت کے منصب میں شامل ہیں اور ان کو کس دلیل سے آپ منصبِ رسالت سے الگ کرتے ہیں؟

دوسرا سوال "مرکزِ ملّت" کے تقرر کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تقرر کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے مرکزِ ملّت مقرر کرے۔ دوسری یہ کہ مسلمان اپنی مرضی سے اس کو منتخب کریں۔ تیسری یہ کہ وہ طاقت سے مسلط ہو کر زبردستی

مرکزِ ملت بن جائے اب سوال یہ ہے کہ "مرکزِ ملت" سے خواہ کچھ بھی مراد ہو، اِس منصب پر حضورؐ کا تقرر اِن تینوں صورتوں میں سے آخر کس صورت پر ہوا تھا؟ کیا یہ تقرر اللہ نے کیا تھا؟ یا مسلمانوں نے آپ کو اس منصب کے لیے منتخب کیا تھا؟ یا حضور خود "مرکزِ ملت" بن گئے تھے؟ ان میں سے جو شق بھی آپ اختیار کرتے ہیں اس کی تصریح ہونی چاہیے۔ اور اسی طرح یہ تصریح بھی ہونی چاہیے کہ حضورؐ کے بعد جو بھی "مرکزِ ملت" بنے گا وہ خداوند عالم کی طرف سے نامزد اور مامور کیا ہوا ہوگا؟ یا مسلمان اس کو مرکز بنائیں گے؟ یا وہ خود اپنے زور سے مرکز بن جائے گا؟ اگر دونوں کے طریقِ تقرر میں آپ کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے تو صاف صاف یہ بات کہہ دیجیے تاکہ آپ کا موقف مبہم نہ رہے۔ اور اگر فرق ہے تو بتائیے کہ وہ کیا فرق ہے اور اس فرق سے دونوں قسم کے مرکزوں کی حیثیت اور اختیارات میں بھی کوئی بنیادی فرق واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ "پہنچانے والے کا مقام بہت آگے ہوتا ہے" فرما کر آپ نے ازراہِ کرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے "مرکزانِ ملت" پر جو فوقیت عطا فرمائی ہے یہ محض درجے اور مرتبے کی فوقیت ہے یا آپ کے نزدیک دونوں کے منصبوں کی نوعیت میں بھی کوئی فرق ہے؟ زیادہ واضح الفاظ میں، میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا آپ کے خیال میں وہ سب اختیارات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "مرکزِ ملت" کی حیثیت سے حاصل تھے، آپ کے بعد "مرکزِ ملت" بننے والے کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں؟ اور کیا باعتبار اختیارات دونوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں؟ اور کیا دوسروں پر حضورؐ کی فوقیت بس اتنی ہی ہے کہ آپ بعد والے مرکز کی بہ نسبت کچھ زیادہ احترام کے مستحق ہیں کیونکہ آپ نے قرآن پہنچایا ہے۔ اگر یہ آپ کا خیال ہے تو بتائیے کہ حضورؐ کے بعد بننے والے یا بنائے جانے والے مرکزی حیثیت بھی کیا یہی ہے کہ اس کے فیصلے سے سرتابی کرنا تو درکنار، اس کے خلاف دل میں تنگی محسوس کرنے سے بھی آدمی کا ایمان سلب ہو جائے؟ کیا اس کی حیثیت

بھی یہی ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں اپنا فیصلہ دے دے تو مسلمانوں کو اس سے مختلف کوئی رائے رکھنے تک کا حق باقی نہ رہے ؟ کیا اس کا مقام بھی یہی ہے کہ اس کے ساتھ مسلمان کوئی نزاع نہیں کر سکتے اور اس کے فرمان کو بے چون وچرا تسلیم کر لینے کے سوا امت کے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے اگر وہ مومن رہنا چاہتی ہو ؟ کیا وہ زندہ شخصیت یا شخصیتیں جو "مرکز ملت" بنیں یا بنائی جائیں، اسوۂ حسنہ بھی ہیں کہ مسلمان ان کی زندگیوں کو دیکھیں اور پورے اطمینان کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھالتے چلے جائیں ؟ کیا وہ بھی ہمارے تزکیے اور تعلیم کتاب وحکمت اور تشریح ما انزل اللہ کے لیے "مبعوث" ہوئے ہیں کہ مستند ہو ان کا فرمایا ہوا ؟

کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ان سوالات پر ذرا تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں تاکہ اس "مرکز ملت" کی ٹھیک ٹھیک پوزیشن سب کے سامنے آجائے جس کا ہم بہت دنوں سے چرچا سن رہے ہیں۔

۶۔ کیا حضورؐ صرف قرآن پہنچانے کی حد تک نبی تھے ؟ آپ کا چھٹا نکتہ آپ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

"آپ کا اگلا سوال یہ ہے کہ جو کام حضورؐ نے تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں سرانجام دیئے ان میں آنحضرتؐ کی پوزیشن کیا تھی ؟ میرا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے جو کچھ کر کے دکھایا وہ ایک بشر کی حیثیت سے لیکن ما انزل اللہ کے مطابق کر کے دکھایا۔ میرا یہ جواب کہ حضورؐ کے فرائض رسالت کی سرانجام دہی ایک بشر کی حیثیت سے تھی میرے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ خود کتاب اللہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضورؐ نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔"

اس عبارت میں آپ نے میرے جس سوال کا جواب دیا ہے وہ دراصل یہ تھا کہ اس پیغمبرانہ زندگی میں حضورؐ نے قرآن پہنچانے کے سوا دوسرے جو کام کیے تھے وہ آیا نبی ہونے کی حیثیت میں کیے تھے جن میں آپ قرآن مجید کی طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی کی نمائندگی

کرتے تھے، یا ان کاموں میں آپ کی حیثیت محض ایک عام مسلمان کی سی تھی؟ اس کا جواب آپ یہ دیتے ہیں کہ یہ کام حضورؐ نے بشر کی حیثیت سے کیے تھے لیکن ما انزل اللہ کے مطابق کیے تھے۔ دوسرے الفاظ میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن پہنچا دینے کی حد تک نبی تھے، اس کے بعد ایک قائد و رہنما، ایک معلم، ایک مربی، ایک مقنن، ایک جج اور ایک فرمانروا ہونے کی حیثیت میں آپؐ نے جو کچھ بھی کیا اس میں آپؐ کا مقام ایک نبی کا نہیں بلکہ ایک ایسے عام انسان کا تھا جو قرآن کے مطابق عمل کرتا ہو۔ آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن نے حضورؐ کی یہی حیثیت بیان کی ہے۔ لیکن اس سے پہلے قرآن کی جو صریح آیات میں نے نقل کی ہیں ان کو پڑھنے کے بعد کوئی ذی فہم آدمی یہ نہیں مان سکتا کہ قرآن نے واقعی حضورؐ کو یہ حیثیت دی ہے

آپ قرآن سے یہ ادھوری بات نقل کر رہے ہیں کہ حضور بار بار اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فرماتے تھے پوری بات جو قرآن نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے بشر ہیں جسے رسول بنایا گیا ہے۔ (قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا) اور حضورؐ ایک ایسے بشر ہیں جس پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے (قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَیَّ)۔ کیا آپؐ ایک عام بشر اور رسالت و وحی پانے والے بشر کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں سمجھتے؟ جو بشر خدا کا رسول ہو وہ تو لامحالہ خدا کا نمائندہ ہے، اور جس بشر کے پاس وحی آتی ہو وہ خدا کی براہِ راست ہدایت کے تحت کام کرتا ہے اس کی حیثیت اور ایک عام بشر کی حیثیت یکساں کیسے ہو سکتی ہے۔

آپ جب یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ ما انزل اللہ کے مطابق کام کرتے تھے تو آپ کا مطلب ما انزل اللہ سے صرف قرآن ہوتا ہے۔ اس لیے آپ لفظاً ایک حق بات مگر معنیً ایک باطل بات کہتے ہیں۔ بلاشبہ حضورؐ ما انزل اللہ کے مطابق کام کرتے تھے، مگر آپ کے اوپر صرف وہی وحی نازل نہیں ہوتی تھی جو قرآن میں پائی جاتی ہے، بلکہ اس کے علاوہ بھی آپ کو

وحی کے ذریعہ سے احکام ملتے تھے۔ اس کا ایک ثبوت میں آپ کے چوتھے نکتے کا جواب دیتے ہوئے پیش کر چکا ہوں۔ مزید ثبوت انشاء اللہ آپ کے دسویں نکتے کی بحث میں دوں گا۔

۷۔ حضور کی اجتہادی لغزشوں سے غلط استدلال | ساتواں نکتہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

"قرآن کی آیات سے واضح ہے کہ حضور نظامِ مملکت کی سرانجام دہی میں ایک بشر کی حیثیت رکھتے تھے اور کبھی کبھی آنحضرت سے اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں۔ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْ[1] اِلَیَّ رَبِّیْ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ (۳۴/۵۰)[2] اگر یہ اجتہادی غلطیاں ایسی ہوتیں جن کا اثر دین کے اہم گوشے پر پڑتا تو خدا کی طرف سے اس کی تادیب بھی آجاتی جیسے کہ ایک جنگ کے موقع پر بعض لوگوں نے پیچھے رہنے کی اجازت چاہی اور حضورؐ نے دیدی۔ اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَا اَذِنْتَ لَهُمْ[3] حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِیْنَ (۹/۴۳)۔ اسی طرح سورۂ تحریم میں تادیب آگئی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ[4] لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (۶۶/۱)۔ اسی طرح سورۂ عبس میں ہے عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی[5] اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی[6] اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی[7] وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی (۸۰/۱-۱۰)[8]

---

[1] صحیح لفظ یُوْحٰی ہے نہ کہ یُوْحِیْ

[2] حوالہ غلط ہے۔ یہ سورۂ روم کی نہیں بلکہ سورہ سبا کی آیت ہے جس کا نمبر ۵۰ ہے۔

[3] یہ الفاظ بھی غلط نقل کیے گئے ہیں۔ صحیح لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ہے۔

[4] صحیح لفظ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ ہے نہ کہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیْ۔

[5] پورا فقرہ غلط نقل کیا گیا ہے۔ صحیح یہ ہے لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی۔

[6] قرآن میں یَزَّكّٰی ہے نہ کہ یَتَزَكّٰی

یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے کہ کس قدر سرسری مطالعہ کی بنا پر لوگ کتنے بڑے اور نازک مسائل کے متعلق رائے قائم کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک رسول بھی بھیجا اور پھر خود ہی اس کا اعتبار کھونے اور اسے غلط کار و گمراہ ثابت کرنے کے لیے یہ آیات بھی قرآن میں نازل کر دیں تاکہ کہیں لوگ اطمینان کے ساتھ اس کی پیروی نہ کرنے لگیں؟ کاش آپ نے قرآن کا آپریشن کرنے سے پہلے ان آیات پر اتنا ہی غور کر لیا ہوتا جتنا اپنے کسی مریض کی ایکس رے رپورٹ پر غور کرتے ہیں۔

پہلی آیت قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ سے آپ یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ خود قرآن کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی گمراہ بھی ہو جاتے تھے اور آپ کی زندگی دراصل ضلالت و ہدایت کا مجموعہ تھی (معاذ اللہ)۔ یہ استدلال کرتے وقت آپ نے کچھ نہ دیکھا کہ یہ آیت کس سیاق و سباق میں آئی ہے۔ سورۂ سبا میں اللہ تعالیٰ پہلے کفارِ مکہ کا یہ الزام نقل فرماتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے تھے اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ (آیت ۸): "یہ شخص یا تو اللہ پر جان بوجھ کر بہتان گھڑتا ہے، یا یہ مجنون ہے"۔ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے آیات ۴۶ تا ۵۰ میں الزام نمبر ۲ کے متعلق فرماتا ہے کہ تم لوگ فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر خالصتہً للہ غور کرو، تمہارا دل خود گواہی دے گا کہ یہ شخص جو تمہیں اسلام کی تعلیم دے رہا ہے اس میں جنون کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد ان کے پہلے الزام (یعنی "یہ شخص اللہ پر جان بوجھ کر بہتان گھڑتا ہے") کے جواب میں اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ اے نبیؐ ان سے کہو، اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ، درحقیقت یہ سچا کلام میرا رب القا فرما رہا ہے۔ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ۔ اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں (جیسا کہ تم الزام لگا رہے ہو) تو میری اس گمراہی کا وبال مجھ پر ہے۔ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْ اِلَیَّ رَبِّیْ۔ اور اگر میں راہ راست پر ہوں تو اس وحی کی بنا پر ہوں جو میرا رب مجھ پر نازل کرتا ہے۔ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ۔ وہ سب کچھ سننے والا اور قریب ہے۔ یعنی اس سے پوشیدہ نہیں ہے کہ میں گمراہ ہوں یا اس خدا

کی طرف سے ہدایت یافتہ۔ اِس سیاق وسباق میں جو بات کہی گئی ہے اس کا آپ یہ مطلب لے رہے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے سامنے اپنے رسول سے یہ اعتراف کروا دیا کہ واقعی میں کبھی گمراہ بھی ہو جاتا ہوں۔ مگر کبھی سیدھے راستے پر بھی چل لیتا ہوں۔ سبحان اللہ، کیا خوب قرآن فہمی ہے۔

دوسری آیات جو آپ نے پیش فرمائی ہیں ان سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلوں میں بہت سی غلطیاں کی تھیں جن میں سے اللہ میاں نے بطورِ نمونہ یہ دو چار غلطیاں پکڑ کر بتا دیں تاکہ لوگ ہوشیار ہو جائیں۔ حالانکہ دراصل ان سے نتیجہ بالکل برعکس نکلتا ہے۔ ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ سے اپنی پوری پیغمبرانہ زندگی میں بس وہی چند لغزشیں ہوئی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے فوراً اصلاح فرما دی، اور اب ہم پورے اطمینان کے ساتھ اُس پوری سنت کی پیروی کر سکتے ہیں جو آپ سے ثابت ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی اور لغزش ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی برقرار نہ رہنے دیتا جس طرح اِن لغزشوں کو اس نے برقرار نہیں رہنے دیا۔

پھر آپ نے کچھ تو سوچا ہوتا کہ وہ لغزشیں ہیں کیا جن پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے نبی کو ٹوکا ہے۔ جنگ میں فوجی خدمت سے استثناء کی درخواست پر کسی کو مستثنیٰ کر دینا، کسی حلال چیز کو نہ کھانے کا عہد کر لینا۔ ایک صحبت میں چند اہم شخصیتوں کو دین کی دعوت دیتے ہوئے بظاہر ایک غیر اہم شخصیت کی طرف توجہ نہ کرنا، کیا یہ ایسے ہی بڑے معاملات ہیں جن کا دین کے اہم گوشوں پر اثر پڑتا ہے؟ کونسا ایسا لیڈر، یا فرمانروا، یا آپ کی اصطلاحِ خاص میں "مرکزِ ملت" ہے جس کی زندگی میں بارہا اس طرح کے، بلکہ اس سے بہت زیادہ بڑے معاملات نہ پیش آتے ہوں؟ پھر کیا ان لغزشوں کی تصحیح کے لیے ہمیشہ آسمان ہی سے وحی اترا کرتی ہے؟ آخر وہ کیا خاص وجہ ہے کہ اتنی معمولی لغزشیں جب رسولِ پاک سے صادر ہوئیں تو فوراً ان کی اصلاح کے لیے وحی آگئی اور اسے کتاب میں ثبت کر دیا گیا؟ آپ

اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ رسالت کے منصب کو سمجھنے میں آپ نے کتنی بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ کوئی رئیس، یا لیڈر یا مرکزِ ملت اللہ تعالیٰ کا نمائندہ نہیں ہوتا۔ اس کا مقرر کیا ہوا شارع (LAW-GIVER) اور اس کا مامور کیا ہوا نمونہ تقلید نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی کوئی بڑی سے بڑی غلطی بھی قانونِ اسلامی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے خدا کی شریعت کے اصول نہیں بدل سکتے۔ لیکن رسولِ پاک چونکہ خدا کے اپنے اعلان کی رُو سے دنیا کے سامنے مرضاتِ الٰہی کی نمائندگی کرتے تھے اور خدا نے خود اہلِ ایمان کو حکم دیا تھا کہ تم ان کی اطاعت اور ان کا اتباع کرو، جو کچھ یہ حلال کہیں اسے حلال مانو اور جو کچھ یہ حرام قرار دے دیں اسے حرام مان لو، اس لیے ان کے قول و عمل میں یہ چھوٹی لغزشیں بھی بہت بڑی تھیں، کیونکہ وہ ایک معمولی بشر کی لغزشیں نہ تھیں، بلکہ اُس شارعِ مجاز کی لغزشیں تھیں جس کی ایک ایک حرکت اور سکون سے قانون بن رہا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمہ لی تھی کہ اپنے رسول کو ٹھیک راستے پر قائم رکھے گا۔ ان کو غلطیوں سے محفوظ کر دیگا، اور ان سے ذرا سی چوک بھی ہو جاتے تو وحی کے ذریعہ سے اُس کی اصلاح فرما دیگا۔

۸۔ موہوم خطرات | آٹھویں نکتے میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر حضورؐ نے یہ سارا کام بشر (یعنی ایک عام غیر معصوم بشر) کی حیثیت سے نہیں بلکہ نبی کی حیثیت سے کیا ہوتا تو اس سے لازماً دو نتائج پیدا ہوتے۔ ایک یہ کہ حضورؐ کے بعد اس کام کو جاری رکھنا غیر ممکن تصور کیا جاتا اور لوگ یہ سمجھتے کہ جو نظامِ زندگی حضورؐ نے قائم کر کے چلا دیا اسے قائم کرنا اور چلانا عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ دوسرا نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ اس کام کو چلانے کے لیے لوگ حضور کے بعد بھی نبیوں کے آنے کی ضرورت محسوس کرتے۔ ان دونوں خطرات سے بچنے کی واحد صورت آپ کے نزدیک یہ ہے کہ تبلیغِ قرآن کے ماسوا حضورؐ کے باقی پورے کارنامۂ زندگی کو رسول اللہ کا نہیں بلکہ ایک غیر نبی انسان کا کارنامہ مانا جائے۔ اسی سلسلے میں آپ

یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اسے رسول کا کارنامہ سمجھنا ختمِ نبوت کے عقیدے کی بھی نفی کرتا ہے، کیونکہ اگر حضورؐ نے یہ سارا کام وحی کی رہنمائی میں کیا ہے تو پھر ویسا ہی کام کرنے کے لیے ہمیشہ وحی آنے کی ضرورت رہے گی، ورنہ دین قائم نہ ہو گا۔

یہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، قرآن اور اس کے نزول کی تاریخ سے آنکھیں بند کر کے اپنے ہی مفروضات کی دنیا میں گھوم پھر کر سوچا اور فرما دیا ہے۔ آپ کی ان باتوں سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ سے قرآن کی بس وہی آیتیں گزری ہیں جو مخالفین سنت نے اپنے لٹریچر میں ایک مخصوص نظریہ ثابت کرنے کے لیے نقل کی ہیں، اور انہی کو ایک خاص ترتیب سے جوڑ جاڑ کر اُن لوگوں نے جو نتائج نکال لیے ہیں ان پر آپ ایمان لے آئے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی اور آپ نے ایک مرتبہ بھی پورا قرآن سمجھ کر پڑھا ہوتا تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ جو خطرات آپ کے نزدیک سیرتِ پاک کو سنتِ رسولؐ ماننے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں وہی سب خطرات قرآن کو وحیِ الٰہی ماننے سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن خود اس بات پر شاہد ہے کہ یہ پوری کتاب ایک ہی وقت میں بطور ایک کتابِ آئین کے نازل نہیں ہو گئی تھی بلکہ یہ اُن وحیوں کا مجموعہ ہے جو ایک تحریک کی رہنمائی کے لیے ۲۳ سال تک تحریک کے ہر مرحلے میں ہر اہم موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی رہی ہیں۔ اس کو پڑھتے ہوئے صاف محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے ایک برگزیدہ انسان اسلامی تحریک کی قیادت کے لیے مبعوث ہوا ہے اور قدم قدم پر خدا کی وحی اس کی رہنمائی کر رہی ہے۔ مخالفین اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں اور جواب اُن کا آسمان سے آتا ہے۔ طرح طرح کی مزاحمتیں راستے میں حائل ہوتی ہیں اور تدبیر اوپر سے بتائی جاتی ہے کہ یہ مزاحمت اس طرح سے دُور کرو اور اس مخالفت کا یوں مقابلہ کرو۔ پیروؤں کو طرح طرح کی مشکلات سے سابقہ پیش آتا ہے اور ان کا حل اوپر سے بتایا جاتا ہے کہ تمہاری فلاں مشکل یوں دُور ہو سکتی ہے اور فلاں مشکل یوں رفع ہو سکتی ہے۔ پھر یہ تحریک جب ترقی

کرتے ہوئے ایک ریاست کے مرحلے میں داخل ہوتی ہے تو جدید معاشرے کی تشکیل اور ریاست کی تعمیر کے مسائل سے لیکر منافقین اور یہود اور کفارِ عرب سے کشمکش تک جتنے معاملات بھی دس سال کی مدت میں پیش آتے ہیں ان سب میں وحی اس معاشرے کے معمار اور اس ریاست کے فرمانروا اور اس فوج کے سپہ سالار کی رہنمائی کرتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس تعمیر اور کشمکش کے ہر مرحلے میں جو مسائل پیش آتے ہیں ان کو حل کرنے کے لیے آسمان سے ہدایات آتی ہیں بلکہ کوئی جنگ پیش آتی ہے تو اس پر لوگوں کو اُبھارنے کے لیے سپہ سالار کو خطبہ آسمان سے ملتا ہے۔ تحریک کے کارکن کہیں کمزوری دکھاتے ہیں تو ان کی فہمائش کے لیے تقریر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ نبی کی بیوی پر دشمن تہمت رکھتے ہیں تو اس کی صفائی آسمان سے آتی ہے۔ منافقین مسجد ضرار بناتے ہیں تو اس کے توڑنے کا حکم وحی کے ذریعہ سے دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ جنگ پر جانے سے جی چُراتے ہیں تو ان کے معاملہ کا فیصلہ براہِ راست اللہ میاں کرکے بھیجتے ہیں۔ کوئی شخص دشمن کو جاسوسی کا خط لکھ بھیجتا ہے تو اس سے نمٹنے کے لیے بھی اللہ میاں خود توجہ فرماتے ہیں۔

اگر واقعی آپ کے نزدیک یہ بات مایوس کُن ہے کہ دین کو قائم کرنے کے لیے جو اوّلین تحریک اُٹھے اس کی رہنمائی وحی کے ذریعہ سے ہو تو یہ مایوسی کا سبب تو خود قرآن میں موجود ہے۔ ایک شخص آپ کا نقطۂ نظر اختیار کرنے کے بعد تو کہہ سکتا ہے کہ جس دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کے پہلے قدم سے لے کر کامیابی کی آخری منزل تک ہر ضرورت اور ہر نازک موقع پر قائدِ تحریک کی رہنمائی کرنے کے لیے خدا کی آیات اترتی رہی ہوں اسے اب کیسے قائم کیا جا سکتا ہے جب تک کہ اسی طرح نظامِ دین کے قیام کے لیے سعی و جہد کرنے والے "مرکزِ ملت" کی مدد کے لیے بھی آیاتِ الٰہی نازل ہونے کا سلسلہ نہ شروع ہو۔ اس نقطۂ نظر سے تو اللہ میاں کے لیے صحیح طریقِ کار یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرر کی پہلی تاریخ کو ایک مکمل کتابِ آئین آپ کے ہاتھ میں دے دی جاتی جس

ہیں اللہ تعالیٰ انسانی زندگی کے مسائل کے متعلق اپنی تمام ہدایات بیک وقت آپ کو دے دیتا۔ پھر ختمِ نبوت کا اعلان کر کے فوراً ہی حضورؐ کی اپنی نبوت بھی ختم کر دی جاتی۔ اس کے بعد یہ محمد رسول اللہ کا نہیں بلکہ محمد بن عبداللہ کا کام تھا کہ غیر نبی ہونے کی حیثیت سے اس کتابِ آئین کو لے کر جد و جہد کرتے اور ما انزل اللہ کے مطابق ایک معاشرہ اور ریاست قائم کر دکھاتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں کو بروقت صحیح مشورہ نہ مل سکا اور وہ ایسا نامناسب طریقہ اختیار کر گئے جو مستقبل میں قیامِ دین کے امکان سے ہمیشہ کے لیے مایوس کر دینے والا تھا! غضب تو یہ ہے کہ وہ اس مصلحت کو اُس وقت بھی نہ سمجھے جب انہوں نے ختمِ نبوت کا اعلان فرمایا۔ یہ اعلان سورۂ احزاب میں کیا گیا ہے جو اُس زمانہ سے متصل نازل ہوئی ہے جبکہ حضرت زیدؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی اور پھر ان کی مطلقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی نکاح کیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد کئی سال تک حضورؐ "مرکزِ ملت" رہے اور ختمِ نبوت کا اعلان ہو جانے کے باوجود نہ حضورؐ کی نبوت ختم کی گئی اور نہ وحی کے ذریعہ سے آپ کی رہنمائی کرنے کا سلسلہ بند کیا گیا!

آپ کو اللہ میاں کی اسکیم سے اتفاق ہو یا اختلاف، بہرحال قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ان کی اسکیم ابتداء ہی سے یہ نہیں تھی کہ نوعِ انسانی کے ہاتھ میں ایک کتاب تھما دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اس کو دیکھ دیکھ کر اسلامی نظامِ زندگی خود بنا لے۔ اگر یہی ان کی اسکیم ہوتی تو ایک بشر کا انتخاب کر کے چپکے سے کتاب اس کے حوالہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے لیے تو اچھا طریقہ یہ ہوتا کہ ایک کتاب چھاپ کر اللہ میاں تمام انسانوں تک براہِ راست بھیج دیتے اور دیباچہ میں یہ ہدایت لکھ دیتے کہ میری اس کتاب کو پڑھو اور نظامِ حق برپا کر لو۔ لیکن انہوں نے یہ طریقہ پسند نہیں کیا۔ اس کے بجائے جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہ یہ تھا کہ ایک بشر کو رسول بنا کر اٹھایا اور اس کے ذریعہ سے اصلاح و انقلاب کی ایک تحریک اٹھوائی۔

اس تحریک میں اصل عامل کتاب نہ تھی بلکہ وہ زندہ انسان تھا جسے تحریک کی قیادت پر مامور کیا گیا تھا۔ اس انسان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نگرانی و ہدایت میں ایک مکمل نظامِ فکر و اخلاق، نظامِ تہذیب و تمدن، نظامِ عدل و قانون اور نظامِ معیشت و سیاست بنوا کر اور چلوا کر ہمیشہ کے لیے ایک روشن نمونہ (اسوۂ حسنہ) دنیا کے سامنے قائم کر دیا تاکہ جو انسان بھی اپنی فلاح چاہتے ہوں وہ اس نمونے کو دیکھ کر اس کے مطابق اپنا نظامِ زندگی بنانے کی کوشش کریں۔ نمونے کا ناقص رہ جانا لازماً ہدایت کے نقص کو مستلزم ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نمونے کی چیز براہِ راست اپنی ہدایات کے تحت بنوائی۔ اس کے معمار کو نقشۂ تعمیر بھی دیا اور اس کا مطلب بھی خود سمجھایا۔ اس کو تعمیر کی حکمت بھی سکھائی اور عمارت کا ایک ایک گوشہ بناتے وقت اس کی نگرانی بھی کی۔ تعمیر کے دوران میں وحی جلی کے ذریعہ سے بھی اس کو رہنمائی دی اور وحی خفی کے ذریعہ سے بھی۔ کہیں کوئی اینٹ رکھنے میں اس سے ذرا سی چوک بھی ہو گئی تو فوراً ٹوک کر اس کی اصلاح کر دی تاکہ جس عمارت کو ہمیشہ کے لیے نمونہ بننا ہے اس میں کوئی ادنیٰ سی خامی بھی نہ رہ جائے۔ پھر جب اس معمار نے اپنے آقا کی ٹھیک ٹھیک مرضی کے مطابق یہ کارِ تعمیر پورا کر دیا تب دنیا میں اعلان کیا گیا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اس طریقِ کار نے حقیقتہً امت میں کوئی مایوسی پیدا نہیں کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو گیا تو کیا خلفائے راشدین نے پے در پے اٹھ کر وحی کے بغیر اس نمونے کی عمارت کو قائم رکھنے اور آگے اسی نمونے پر وسعت دینے کی کوشش نہیں کی؟ کیا وقتاً فوقتاً صالح فرمانروا بھی اور مصلحین امت بھی اس نمونے کی پیروی کرنے کے لیے دنیا کے مختلف گوشوں میں نہیں اٹھتے رہے؟ ان میں سے آخر کس نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وحی کی رہنمائی میں یہ کام کر گئے، اب یہ ہمارے بس کا روگ نہیں ہے؟ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے تاریخ انسانی

ہیں اپنے رسول کے عملی کارنامے سے روشنی کا ایک مینار کھڑا کر دیا ہے جو صدیوں سے انسان کو صحیح نظامِ زندگی کا نقشہ دکھا رہا ہے اور قیامت تک دکھاتا رہے گا۔ آپ کا جی چاہے تو اس کے شکر گزار ہوں۔ اور جی چاہے تو اس کی روشنی سے آنکھیں بند کر لیں۔

۹۔ خلفائے راشدین پر بہتان] آپ کا نکتہ نمبر ۹ یہ ہے:

"حضرات خلفائے کرام اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وحی الکتاب کے اندر محفوظ ہے اور اس کے بعد حضورؐ جو کچھ کرتے تھے باہمی مشاورت سے کرتے تھے۔ اس لیے حضورؐ کی وفات کے بعد نظام میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ سلطنت کی وسعت کے ساتھ تقاضے بڑھتے گئے اس لیے آئے دن نئے نئے امور سامنے آتے تھے جن کے تصفیہ کے لیے اگر کوئی پہلا فیصلہ مل جاتا جس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہوتی تو اسے علیٰ حالہٖ قائم رکھتے تھے۔ اگر اس میں تبدیلی کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے تبدیلی کر لیتے۔ اور اگر نئے فیصلے کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے نیا فیصلہ کر لیتے۔ یہ سب کچھ قرآن کی روشنی میں ہوتا تھا۔ یہی طریقہ رسول اللہ کا تھا۔ اور اسی کو حضورؐ کے جانشینوں نے قائم رکھا۔ اسی کا نام اتباعِ رسول تھا۔"

اس عبارت میں آپ نے پے در پے متعدد غلط باتیں فرمائی ہیں۔ آپ کی پہلی غلط بیانی یہ ہے کہ رسولؐ اللہ جو کچھ کرتے تھے باہمی مشاورت سے کرتے تھے۔ حالانکہ مشاورت حضورؐ نے صرف تدابیر کے معاملے میں کی ہے اور وہ بھی اُن تدابیر کے معاملے میں جن کے اختیار کرنے کا حکم آپ کو وحی سے نہیں ملا ہے۔ قرآن کی تعبیر و تفسیر، اور اس کے کسی لفظ یا فقرے کا منشا متعین کرنے میں حضورؐ نے کبھی کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس معاملہ میں آپ کی اپنی ہی شرح قطعی ناطق تھی۔ اسی طرح آپ کے پورے عہدِ رسالت میں کبھی یہ طے کرنے کے لیے کوئی مشاورت نہیں ہوئی کہ لوگوں کے لیے کس چیز کو فرض و واجب، کس چیز کو حلال و جائز، اور کس چیز کو ممنوع و حرام ٹھیرایا جائے۔ اور معاشرے میں کیا قاعدے اور ضابطے مقرر کیے جائیں۔ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں تنہا آپ

کی زبان اور آپ کی عملی زندگی ہی بجلیچر تھی۔ کوئی مومن یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ان معاملات میں وہ حضورؐ کے سامنے زبان کھولنے کا مجاز ہے۔ کیا آپ کوئی مثال ایسی پیش کر سکتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں قرآن کے کسی حکم کی تعبیر مشورے سے کی گئی ہو، یا کوئی قانون مشورے سے بنایا گیا ہو؟ بہت سی نہیں، صرف ایک مثال ہی آپ پیش فرما دیں۔

دوسری خلاف واقعہ بات آپ یہ فرما رہے ہیں کہ خلفائے راشدین صرف قرآن کو منبع ہدایت سمجھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کو واجب الاتباع ماخذ قانون نہیں سمجھتے تھے۔ یہ ان بزرگوں پر آپ کا سخت بہتان ہے جس کے ثبوت میں نہ آپ ان کا کوئی قول پیش کر سکتے ہیں نہ عمل۔ اگر اس کا کوئی ثبوت آپ کے پاس ہے تو وہ سامنے لائیے۔ ان کے طرزِ عمل کی جو شہادتیں ان کے زمانے سے متصل لوگوں نے دی ہیں وہ تو یہ ہیں:۔

ابن سیرین (۳۳ھ - ۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ "ابوبکرؓ کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش ہوتا اور وہ نہ کتاب اللہ میں اس کے لیے کوئی حکم پاتے، نہ سنت میں اس کی کوئی نظیر ملتی تب وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتے اور فرماتے یہ میری رائے ہے، اگر صحیح ہے تو اللہ کا فضل ہے" (ابن القیمؒ، اعلام الموقعین، جلد ۱، ص ۵۴)۔

میمون بن مہران (۳۷ھ - ۱۱۷ھ) کہتے ہیں "ابوبکر صدیقؓ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی معاملہ کا فیصلہ انہیں کرنا ہوتا تو پہلے کتاب اللہ میں دیکھتے، اگر وہاں اس کا حکم نہ ملتا تو سنتِ رسول اللہؐ میں تلاش کرتے۔ اگر وہاں حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اور اگر انہیں اس مسئلے میں سنت کا علم نہ ہوتا تو لوگوں سے پوچھتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس طرح کے کسی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ فرمایا ہے؟" (کتاب مذکور، صفحہ ۶۲)

علامہ ابن قیم نے پوری تحقیق کے بعد اپنا نتیجۂ تحقیق یہ بیان کیا ہے کہ لا یحفظ للصدیق خلاف نص واحد ابداً "ابوبکر صدیق کی زندگی میں نص کی خلاف ورزی کی ایک مثال بھی

نہیں ملتی۔ (کتاب مذکور ج ۴ ص ۱۲۰)

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دادی اپنے پوتے کی میراث کا مطالبہ لے کر آئی جس کی ماں مر چکی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں پاتا جس کی رُو سے تجھ کو ماں کا حصہ پہنچتا ہو۔ پھر انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس معاملہ میں کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ اس پر مُغیرہ بن شُعبہ اور محمد بن مسلمہ نے اُٹھ کر شہادت دی کہ حضورؐ نے دادی کو چھٹا حصہ (یعنی حصہ مادری) دلوایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

مؤطا میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ کو اپنی زندگی میں کچھ مال دینے کے لیے کہا تھا، مگر انہیں یہ یاد نہ تھا کہ یہ مال ان کے حوالہ کر دیا گیا تھا یا نہیں۔ وفات کے وقت آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ مال تم لے چکی ہو تب تو وہ تمہارے پاس رہے گا (کیونکہ وہ ہبہ ہو گیا)، لیکن اگر ابھی تک تم نے اسے قبضہ میں نہیں لیا ہے تو اب وہ میرے سب وارثوں میں تقسیم ہو گا (کیونکہ اس کی حیثیت ہبہ کی نہیں بلکہ وصیت کی ہے اور حدیث لَاوَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ کی رُو سے وارث کے حق میں کوئی وصیت میت کے ترکے میں نافذ نہیں ہو سکتی تھی)۔ اس طرح کی بکثرت مثالیں خلیفۂ اول کی زندگی میں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بال برابر ہٹنا بھی جائز نہ رکھتے تھے۔

کون نہیں جانتا کہ خلیفہ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا اوّلین اعلان یہ تھا کہ اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فان عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں[1]۔ لیکن اگر میں اللہ

---

[1] منکرین حدیث کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ اور رسول کے الفاظ آئے ہیں ان سے مراد "مرکزِ ملت" ہے۔ لیکن یہ نکتہ حضرت ابوبکرؓ کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ بیچارے یہی سمجھتے رہے کہ "میں" مرکزِ ملت (بقیہ ص ۹۶ پر)

اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے"۔ کس کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی وفات کے بعد جیشِ اسامہؓ کو صرف اس لیے بھیجنے پر اصرار کیا کہ جس کام کا فیصلہ حضورؐ اپنی زندگی میں کر چکے تھے اسے بدل دینے کا وہ اپنے آپ کو مجاز نہ سمجھتے تھے۔ صحابہ کرام نے جب اُن خطرات کی طرف توجہ دلائی جن کا طوفان عرب میں اٹھتا نظر آرہا تھا اور اس حالت میں شام کی طرف فوج بھیج دینے کو نامناسب قرار دیا، تو حضرت ابوبکرؓ کا جواب یہ تھا کہ لو خطفتنی الکلاب والذئاب لم ارد قضاءً قضیٰ بہٖ رسول اللہ ؐ "اگر کتے اور بھیڑیے بھی مجھے اُچک لے جائیں تو میں اُس فیصلے کو نہ بدلوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا تھا"۔ حضرت عمرؓ نے خواہش ظاہر کی کہ کم از کم اُسامہؓ ہی کو اس لشکر کی قیادت سے ہٹا دیں کیونکہ بڑے بڑے صحابہ اس نوجوان لڑکے کی ماتحتی میں رہنے سے خوش نہیں ہیں، تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا: ثکلتک امک وعدمتک یا ابن الخطاب، استعملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتامرنی ان انزعہ "خطاب کے بیٹے، تیری ماں تجھے روئے اور تجھے کھو دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقرر کیا اور تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں اسے ہٹا دوں"۔ اس موقع پر لشکر کو روانہ کرتے ہوئے جو تقریر انہوں نے کی اس میں فرمایا: انما انا متبع لست بمبتدع "میں تو پیروی کرنے والا ہوں، نیا راستہ نکالنے والا نہیں ہوں"۔ پھر کس سے یہ قصہ پوشیدہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ کے مطالبۂ میراث کو ابوبکر صدیقؓ نے حدیث رسول اللہ ہی کی بنیاد پر قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور اس "قصور" پر وہ آج تک گالیاں کھا رہے ہیں۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جب وہ جہاد کا فیصلہ کر رہے تھے تو حضرت عمرؓ

(بقیہ حاشیہ ص ۹۵) ہونے کی حیثیت سے اللہ اور اس کے رسول کا تابع فرمان ہوں۔ اگر کہیں خلیفہ اول کی بیعت کے وقت "طلوع اسلام" رونما ہو چکا ہوتا تو وہ ان سے کہتا کہ آپ مرکزِ ملت، اللہ اور رسول تو تم خود ہو تم کس اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے چلے ہو۔

جیسے شخص کو اس کی صحت میں اس لیے تامل تھا کہ جو لوگ کلمہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں ان کے خلاف تلوار کیسے اٹھائی جا سکتی ہے۔ مگر اس کا جو جواب انہوں نے دیا وہ یہ تھا کہ واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعہ "خدا کی قسم، اگر وہ اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی اس زکوٰۃ میں سے روکیں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو میں اس پر ان سے لڑوں گا"۔ یہ قول اور یہ عمل تھا اس شخص کا جس نے حضورؐ کے بعد سب سے پہلے زمام کار سنبھالی تھی، اور آپ کہتے ہیں کہ خلفائے کرام اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے بدلنے کا مجاز سمجھتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا مسلک اس معاملے میں جو کچھ تھا اسے وہ خود قاضی شُریح کے نام اپنے خط میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"اگر تم کوئی حکم کتاب اللہ میں پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کر دو اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور اگر کوئی ایسا معاملہ آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں جو حکم ملے اس پر فیصلہ کر دو۔ اور اگر معاملہ ایسا ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنتِ رسول اللہ میں تو اس کا فیصلہ اس قانون کے مطابق کرو جس پر اجماع ہو چکا ہو لیکن اگر کسی معاملہ میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ دونوں خاموش ہوں اور تم سے پہلے اس کے متعلق کوئی اجماعی فیصلہ بھی نہ ہوا ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ یا تو پیش قدمی کر کے اپنی اجتہادی رائے سے فیصلہ کر دو، یا پھر ٹھہر کر انتظار کرو[1]۔ اور میرے نزدیک تمہارا انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے"۔

(اعلام الموقعین، جلد ۱ ص ۶۱-۶۲)

یہ حضرت عمرؓ کا اپنا لکھا ہوا سرکاری ہدایت نامہ ہے جو انہوں نے خلیفۂ وقت کی حیثیت

---

[1] یعنی اس بات کا انتظار کرو کہ اس معاملہ میں کوئی اجماعی فیصلہ ہو جائے۔

سے ضابطۂ عدالت کے متعلق کوفہ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کو بھیجا تھا۔ اس کے بعد کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کے مسلک کی کوئی دوسری ترجمانی کرے۔

[حضرت عمرؓ کے بعد[1] تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ ہیں۔ بیعت کے بعد اولین خطبہ جو انہوں نے دیا اس میں وہ علی الاعلان تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خبردار رہو، میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ میرے اوپر کتاب اللہ اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کے بعد تمہارے تین حق ہیں جن کی میں ذمہ داری لیتا ہوں۔ ایک یہ کہ میرے پیش رو خلفاء کے زمانے میں تمہارے اتفاق و اجتماع سے جو فیصلے اور طریقے طے ہو چکے ہیں ان کی پیروی کرونگا۔ دوسرے یہ کہ جو امور اب اہلِ خیر کے اجتماع و اتفاق سے طے ہونگے ان پر عمل درآمد کرونگا۔ تیسرے یہ کہ تمہارے اوپر دست درازی کرنے سے باز رہوں گا جب تک کہ تم از روئے قانون مواخذہ کے مستوجب نہ ہو جاؤ۔" (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۴۴۶)

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں۔ انہوں نے خلیفہ ہونے کے بعد اہلِ مصر سے بیعت لینے کے لیے اپنے گورنر حضرت قیس بن سعد بن عُبادہ کے ہاتھ جو سرکاری فرمان بھیجا تھا اس میں وہ فرماتے ہیں:

"خبردار رہو، ہمارے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق عمل کریں، اور تم پر وہ حق قائم کریں جو کتاب و سنت کی رُو سے حق ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاری کریں اور تمہاری بے خبری کی حالت میں بھی تمہارے ساتھ خیر خواہی کرتے رہیں۔"

(تاریخ طبری۔ جلد ۳۔ ص ۵۵۰)

یہ چاروں خلفاء راشدین کے اپنے بیانات ہیں۔ آپ کن "حضرات خلفاء کرام"

[1] بعد کا اضافہ

کا ذکر فرما رہے ہیں جو اپنے آپ کو سنتِ رسول اللہ کی پابندی سے آزاد سمجھتے تھے ؟ اور ان کا یہ مسلک آپ کو کن ذرائع سے معلوم ہوا ہے ؟]

آپ کا یہ خیال بھی محض ایک دعویٰ بلا ثبوت ہے کہ خلفائے راشدین قرآن مجید کے احکام کو تو قطعی واجب الاطاعت مانتے تھے ، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں جن کو وہ باقی رکھنا مناسب سمجھتے تھے انہیں باقی رکھتے تھے ۔ اور جنہیں بدلنے کی ضرورت سمجھتے تھے انہیں بدل کر باہمی مشاورت سے نئے فیصلے کر لیتے تھے ۔ آپ اس کی کوئی نظیر پیش فرمائیں کہ خلافت راشدہ کے پورے دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ بدلا گیا ہو ، یا کسی خلیفہ یا صحابی نے یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ ہم حضورؐ کے فیصلے حسبِ ضرورت بدل لینے کے مجاز ہیں ۔

۱ ۔ کیا حضورؐ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی ؟ | اب صرف آپ کا آخری نکتہ باقی ہے جسے آپ ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں :

" اگر فرض کر لیا جائے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جو کچھ کرتے تھے وحی کی رُو سے کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو اپنی طرف سے بھیجی ہوئی ایک قسم کی وحی پر (نعوذ باللہ) تسلی نہ ہوتی ، چنانچہ دوسری قسم کی وحی کا نزول شروع ہو گیا ۔ یہ دو رنگی وحی آخر کیوں ؟ پہلے آنے والے نبیوں پر جب وحی نازل ہوتی تو اس میں نزولِ قرآن کی طرف اشارہ تھا ۔ تو کیا اس اللہ کے لیے جو ہر چیز پر قادر ہے یہ بڑا مشکل تھا کہ دوسری قسم کی وحی ، جس کا آپ ذکر کرتے ہیں ، اس کا قرآن میں اشارہ کر دیتا ۔ مجھے تو قرآن میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی ۔ اگر آپ کسی آیت کی طرف اشارہ فرما سکیں تو مشکور ہوں گا "

یہ تسلی کی بات بھی خوب ہے ۔ گویا آپ کی رائے میں اللہ میاں بندوں کی ہدایت کے لیے نہیں بلکہ اپنی تسلی کے لیے وحی نازل فرماتے تھے ، اور ان کی تسلی کے لیے بس ایک قسم کی

وحی کافی ہونی چاہیے تھی!

آپ تو "دو رنگی وحی" پر ہی حیران ہیں، مگر آنکھیں کھول کر آپ نے قرآن پڑھا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ کتاب "سہ رنگی وحی" کا ذکر کرتی ہے جن میں سے صرف ایک "رنگ" کی وحی قرآن میں جمع کی گئی ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ (الشوریٰ - آیت ۵۱)

کسی بشر کے لیے یہ نہیں ہے کہ اللہ اس سے گفتگو کرے، مگر وحی کے طریقہ پر، یا پردے کے پیچھے سے، یا اس طرح کہ ایک پیغام بر بھیجے اور وہ اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ چاہتا ہو وہ برتر اور حکیم ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بشر پر احکام و ہدایات نازل ہونے کی تین صورتیں بتائی گئی ہیں۔ ایک براہِ راست وحی (یعنی القاء و الہام)، دوسرے پردے کے پیچھے سے کلام، تیسرے اللہ کے پیغام بر (فرشتے) کے ذریعہ سے وحی۔ قرآن مجید میں جو وحیاں جمع کی گئی ہیں وہ ان میں سے صرف تیسری قسم کی ہیں۔ اس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے خود قرآن ہی میں فرما دی ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ... فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ (البقرہ - ۹۷-۹۸)

(اے نبی) کہو جو کوئی دشمن ہو جبریل کا اس بنا پر کہ اس نے یہ قرآن نازل کیا ہے تیرے قلب پر اللہ کے اذن سے تصدیق کرتا ہوا ان کتابوں کی جو اس کے آگے آتی ہوئی ہیں اور ہدایت و بشارت دیتا ہوا اہلِ ایمان کو ... تو اللہ دشمن ہے ایسے کافروں کا۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ

اور یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے اسے لے کر روح الامین اترا ہے تیرے قلب پر

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (الشعراء ۱۹۳-۱۹۴) تاکہ تو متنبہ کرنے والوں میں سے ہو۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ قرآن صرف ایک قسم کی وحیوں پر مشتمل ہے۔ رسول کو ہدایات ملنے کی باقی دو صورتیں جن کا ذکر سورۂ شوریٰ والی آیت میں کیا گیا ہے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اب خود قرآن ہی ہمیں بتاتا ہے کہ ان صورتوں سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایات ملتی تھیں:

(۱) جیسا کہ میں آپ کے چوتھے نکتے پر بحث کرتے ہوئے بتا چکا ہوں، سورۂ بقرہ کی آیات ۱۴۳-۱۴۴ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام کے قبلہ بنائے جانے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان کسی اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تحویلِ قبلہ کا حکم دیتے ہوئے اس بات کی توثیق فرمائی کہ وہ پہلا قبلہ جس کی طرف رُخ کیا جاتا تھا، وہ بھی ہمارا ہی مقرر کیا ہوا تھا لیکن قرآن میں وہ آیت کہیں نہیں ملتی جس میں اُس قبلے کی طرف رُخ کرنے کا ابتدائی حکم ارشاد فرمایا گیا ہو۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضورؐ پر قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں آتی تھی تو وہ حکم حضورؐ کو کس ذریعہ سے ملا؟ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ حضورؐ کو ایسے احکام بھی ملتے تھے جو قرآن میں درج نہیں ہیں؟

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں خواب دیکھتے ہیں کہ آپؐ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کیا ہے۔ آپ اس کی خبر صحابۂ کرام کو دیتے ہیں اور ۱۴ سو صحابیوں کو لیکر عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔ کفارِ مکہ آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ واقع ہوتی ہے۔ بعض صحابی اس پر خفگان میں پڑ جاتے ہیں اور حضرت عمرؓ ان کی ترجمانی کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے ہمیں خبر نہ دی تھی کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا کیا میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سفر میں ایسا ہو گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ

اللہ نے اپنے رسول کو یقیناً سچا خواب دکھایا تھا تم ضرور مسجد حرام میں ان شاء اللہ داخل ہو گے

شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ (الفتح۔ آیت ۲۷)

امن کے ساتھ سر مونڈتے ہوئے اور بال ترشتے ہوئے بغیر اس کے کہ تمہیں کسی قسم کا خوف ہو۔ اللہ کو علم تھا اُس بات کا جسے تم نہ جانتے تھے اس لیے اس سے پہلے اس نے یہ قریب کی فتح (یعنی صلح حدیبیہ) عطا کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو خواب کے ذریعہ سے مکہ میں داخل ہونے کا یہ طریقہ بتایا گیا تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کو لیکر مکہ کی طرف جائیں، کفار روکیں گے، آخر کار صلح ہو گی جس کے ذریعہ سے دوسرے سال عمرہ کا موقع بھی ملے گا اور آئندہ کی فتوحات کا راستہ بھی کھل جائیگا۔ کیا یہ قرآن کے علاوہ دوسرے طریقوں سے ہدایات ملنے کا کھلا ثبوت نہیں ہے؟

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں سے ایک بیوی کو راز میں ایک بات بتاتے ہیں۔ وہ اس کا ذکر دوسروں سے کر دیتی ہیں۔ حضورؐ جواب دیتے ہیں کہ مجھے علیم و خبیر نے خبر دی ہے:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ (التحریم۔ ۳)

اور جب کہ نبی نے اپنی ایک بیوی سے راز میں ایک بات کہی، اور اس بیوی نے اس کی (دوسروں کو) خبر دیدی، اور اللہ نے نبی کو اس پر مطلع کر دیا تو نبی نے اس بیوی کو اس کے قصور کا ایک حصہ تو جتا دیا اور دوسرے حصہ سے درگزر کیا۔ پس جب نبی نے اس بیوی کو اس کا قصور جتایا تو اس نے پوچھا آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ نبیؐ نے کہا مجھے علیم و خبیر خدا نے بتایا۔

فرمایئے کہ قرآن میں وہ آیت کہاں ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع دی تھی کہ تمہاری بیوی نے تمہاری راز کی بات دوسروں سے کہدی ہے؟ اگر نہیں ہے

تو ثابت ہوا یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے علاوہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغامات بھیجتا تھا؟

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہیں اور اس کے بعد حضورؐ ان کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اس پر منافقین اور مخالفین حضورؐ کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک شدید طوفان اٹھا کھڑا کرتے ہیں اور اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ ان اعتراضات کا جواب اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب کے ایک پورے رکوع میں دیتا ہے اور اس سلسلے میں لوگوں کو بتاتا ہے کہ ہمارے نبی نے یہ نکاح خود نہیں کیا ہے بلکہ ہمارے حکم سے کیا ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا۔ (آیت ۳۷)

پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے اس (خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ اہلِ ایمان کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جبکہ وہ ان سے جی بھر چکے ہوں (یعنی انہیں طلاق دے چکے ہوں)

یہ آیت تو گزرے ہوئے واقعہ کا بیان ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا تھا کہ تم زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لو وہ قرآن میں کس جگہ ہے؟

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کی مسلسل بدعہدیوں سے تنگ آکر مدینہ سے متصل ان کی بستیوں پر چڑھائی کر دیتے ہیں اور دورانِ محاصرہ میں اسلامی فوج گرد و پیش کے باغات کے بہت سے درخت کاٹ ڈالتی ہے تاکہ حملہ کرنے کے لیے راستہ صاف ہو۔ اس پر مخالفین شور مچاتے ہیں کہ باغوں کو اجاڑ کر اور ہرے بھرے ثمردار درختوں کو کاٹ کر مسلمانوں نے فساد فی الارض برپا کیا ہے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (الحشر ۵)

کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹے اور جو کھڑے رہنے دیئے، یہ دونوں کام اللہ کی اجازت سے تھے۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ اجازت قرآن مجید کی کس آیت میں نازل ہوئی تھی ؟

(۶) جنگ بدر کے خاتمے پر جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس وقت سورۂ انفال نازل ہوتی ہے اور اس میں اس پوری جنگ پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ اس تبصرے کا آغاز اللہ تعالیٰ اُس وقت سے کرتا ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے گھر سے نکلے تھے، اور اس سلسلے میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے :

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۔

(آیت ۷)

اور جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو گروہوں (یعنی تجارتی قافلے اور قریش کے لشکر) میں سے ایک تمہارے ہاتھ آئے گا، اور تم چاہتے تھے کہ بے زور گروہ (یعنی تجارتی قافلہ) تمہیں ملے۔ حالانکہ اللہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی کمر توڑ دے۔

اب کیا آپ پورے قرآن میں کسی آیت کی نشان دہی فرما سکتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نازل ہوا ہو کہ اے لوگو، جو مدینہ سے بدر کی طرف جا رہے ہو، ہم دو گروہوں میں سے ایک پر تمہیں قابو عطا فرما دیں گے ؟

(۷) اسی جنگ بدر پر تبصرے کے سلسلے میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے :

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ

(الانفال۔ آیت ۹)

جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری فریاد کے جواب میں فرمایا میں تمہاری مدد کے لیے لگاتار ایک ہزار فرشتے بھیجنے والا ہوں۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی فریاد کا یہ جواب قرآن مجید

کی کس آیت میں نازل ہُوا تھا؟

آپ صرف ایک مثال چاہتے تھے۔ میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید سے سات مثالیں پیش کر دی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ اس کے بعد آگے کسی بحث کا سلسلہ چلنے سے پہلے میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ حق کے آگے جھکنے کے لیے تیار بھی ہیں یا نہیں۔

خاکسار

ابُوالاعلیٰ

(ترجمان القرآن۔ اکتوبر و نومبر ۱۹۶۰ء)